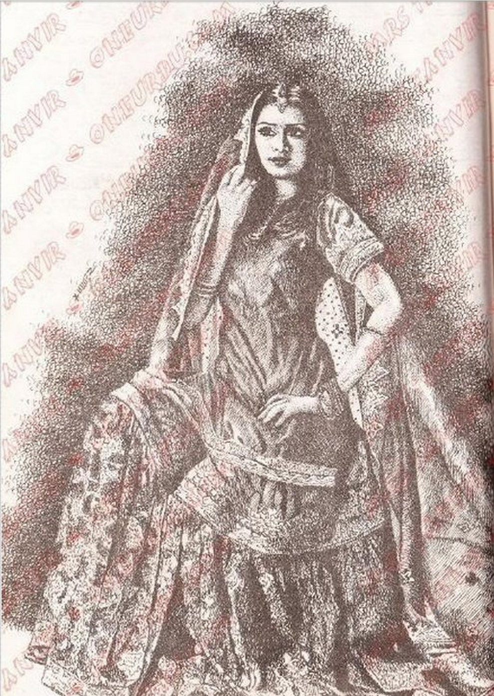

اس دل کے جھروکے میں

"دیا! بس بہت کرلی تم نے من مانی۔ لڑکیاں اچھے پرپوزل کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں۔ ان حالات میں اچھا رشتہ آیا ہے اور تمہارے مزاج نہیں مل رہے ہیں۔" ماما نے ناگواری سے اس کے بگڑے نقوش کو دیکھا۔

"بہو! تم چپ رہو، میں بات کر رہا ہوں نا۔" داداجی نے مداخلت کی۔ تائی نے بھی ماما کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

مکمل ناول

"دیا بیٹا! تم اس رشتے سے مسلسل انکاری ہو تو تمہارے انکار کی کوئی تو وجہ ہوگی؟"

داداجی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "وجہ تو تھی مگر ہزار دوستانہ رویے کے باوجود وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"کوئی وجہ نہیں ہے بابا! یہ لڑکی خالی خولی ہمیں پریشان کرتی ہے۔ یہ میری بیٹی ہے تو میں بھی اس کی ماں ہوں، زبردستی رشتہ طے کردوں گی۔" اس کی چپ نے ماما کو آگ بگولا کر دیا۔

"آپ نے زبردستی کی تو میں گھر چھوڑ دوں گی۔"

وہ بھی انہی کی بیٹی تھی، جواب دے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا جو اعلان تھا کہ وہ شدید غصے میں ہے۔ اسی اثنا میں سیڑھیاں طے کر کے نوشیرواں غزنوی نے لاؤنج میں قدم رکھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! یہ ابھی دھماکے کی آواز کہاں سے آئی تھی؟"

"ہمارے گھر میں ایک ہی تو سرپھری ہے۔" جیا نے دیا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"صبح کے نکلے اب آرہے ہو، کام ہو گیا؟" تائی فکرمندی سے اکلوتے بیٹے کو دیکھتے استفسار کر رہی تھیں۔

"ہوں، پندرہ دن بعد مابدولت امریکہ سدھار جائیں گے۔ آپ لوگوں کے چہرے دیکھ کر لگ رہا ہے بات کوئی خاص ہے۔ خیریت؟"

اس نے باری باری سب کا چہرہ دیکھا۔ جیا نے پانی سے بھرا گلاس اسے پکڑایا جو اس نے منہ سے لگا لیا۔

"ہم سب دیا کے باعث پریشان ہیں۔ مسز زبیر اپنے بیٹے کے لیے دو بار چکر لگا چکی ہیں مگر دیا ہے کہ مانتی ہی نہیں۔" تائی نے بتایا۔

"آپ لوگوں نے مجھے پرپوزل کی بابت نہیں بتایا۔" وہ حیران تھا۔

مسز زبیر دو بار آچکی تھیں اور وہ بے خبر تھا۔ یہ "بے خبری" اسے مہنگی بھی پڑ سکتی تھی۔

"تم مصروف تھے تو دھیان ہی نہیں رہا۔ یہ لڑکی تو کسی طور نہیں مان رہی ہے۔ لگتا ہے اب اس کے

باپ ہی کو بات کرنا پڑے گی۔" ماما کو اس کا انداز یاد آیا تو چڑ کے بولیں۔

"اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نہ نکل جائے، تم دیا سے انکار کی وجہ جاننے کی کوشش کرو۔" تائی ماما کو سمجھا رہی تھیں۔ وہ سر جھکا کر بے ساختہ لبوں پہ آنے والی مسکراہٹ چھپا گیا۔

"اگر "وجہ" میں بتا دوں تو؟" اس کی فطری خوداعتمادی عود کر سامنے آئی۔ سب ایسے چونکے جیسے نیند میں کسی نے انہیں جھنجوڑ کر جگایا ہو۔

"تم وجہ بتاؤ گے؟"

"جی لیکن پہلے وعدہ کریں "وجہ" جاننے کے بعد کوئی مجھے ڈانٹے گا نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے سب کو حیران کر رہا تھا۔

"اب بول بھی دو بھائی! میرا تو سسپنس سے برا حال ہے۔" جیا دھم سے اس کے برابر بیٹھ گئی اور اگلے لمحوں میں "وجہ" جاننے کے بعد سب نے اسے مارا بھی تھا اور ڈانٹا بھی، لیکن پیار سے۔

"ذرا میں محترمہ کے کمرے کا ٹمپریچر معلوم کر آؤں۔" شوخی سے کہہ کر وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"بھائی... بی کیئر فل!" جواباً جیا شوخی سے گویا تھی۔

انگلیاں موڑ کر اس نے دروازے پہ دستک دی۔

"میں کمرے میں نہیں ہوں۔"

اندر سے موصول ہونے والے جواب نے ہنسنے پہ مجبور کر دیا۔ دروازہ دھکیل کر اس نے کمرے میں قدم رکھا۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں؟" وہ اسے دیکھ کر پھنکاری۔

"میں تو وہ مشین چیک کرنے آیا تھا جس نے بتایا تم نہیں ہو۔ سائنس نے کتنی ترقی کر لی مگر میں کورا کا کورا ہی رہا۔" لبوں کے ساتھ آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"اس وقت تم اور تمہاری مسکراہٹ، دونوں زہر لگ رہی ہے مجھے۔"

"پہلے اچھی لگتی تھی؟" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے، مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہو گئی ہے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا سامنے موجود شخص کا گلا دبا دے۔

"پہلے محبت تھی؟" وہ ہنوز چھیڑ رہا تھا۔ اس کا سرخ چہرہ، غصے، چیخنے چلانے کا اس پہ کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا بلکہ وہ تو محظوظ ہو رہا تھا۔

"نکلو میرے کمرے سے۔"

"ورنہ تم میرے کمرے پہ قبضہ کر لوگی؟" اس نے جیب میں انگوٹھا ڈالے اسے چڑایا۔

"ویسے، تمہیں اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟"

"تم سے مطلب، تم لگتے کیا ہو میرے؟" وہ جل بلا کے بولی۔

"تم چاہتی ہو کہ کزن کے علاوہ میں تمہارا "کچھ اور" لگوں؟"

قریب آ کے بولا تو وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی سرمئی آنکھوں پہ نظر پڑتے ہی دل سرپٹ دوڑنے لگا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" اب کے وہ نرم لہجے میں بولی۔

"اوئے ہوئے! اتنے پیار سے بولو گی تو جانے میں کیا کر گزروں تمہارے لیے۔" وہ آرام سے اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"نہیں گر نہ گزرو۔" طنزیہ بولی۔

"تم جیسی فضول لڑکی کے لیے کوئی بے وقوف ہی کچھ کر سکتا ہے۔" اس نے اسے بھڑکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتی گیٹ لاسٹ۔" بری طرح دھاڑی۔ وہ اٹھ گیا۔

"جا رہا ہوں، ویسے بھی پندرہ دن ہیں تمہارے پاس، جی بھر کر میری صورت دیکھ لو۔ اس کے بعد تو ہم

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

امریکہ تشریف لے جائیں گے۔"

"مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں۔ تم جہنم میں جاؤ، میری بلا سے۔"

آنکھیں خوامخواہ میں نم ہونے لگی تھیں۔ وہ اپنی کمزوری اس پہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایک تو اس کی جان خود مشکل میں پھنسی ہوئی تھی، دوسرے وہ اتنا دور جا رہا تھا۔

"شادی تو تمہیں کسی نہ کسی سے کرنی ہی ہے، تو مسز زبیر کے بیٹے میں کیا خرابی ہے؟"

"مسز زبیر کے کچھ لگتے، نکلو تم، دفعان ہو یہاں سے۔" وہ تلملاتی اٹھی۔ غصے کی شدید لہر اٹھی تھی۔ ارادہ تھا دھکے دے کر کمرے سے نکال دے گی مگر اسے ہلا بھی نہ سکی تو بے بسی سے اس کے سینے پہ مکوں کی بارش کر دی۔ اندر کی گھٹن نے جنون کا روپ دھار لیا تھا۔ مٹھیوں میں بھر کے شرٹ نوچ کھسوٹ دیا۔ نتیجتاً شرٹ کے بٹن ٹوٹ کر بکھر گئے۔

"مجھے ستا کر بہت خوشی ملتی ہے نا تمہیں۔ آج میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ چیخ سن کر سب ہی کمرے میں چلے آئے۔

"دیا! پاگل ہو گئی ہو۔"

ماما اندر کی چوئیشن پہ بوکھلا گئیں۔ باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔ تبل سے بکھرے نوشیرواں غزنوی کو بالوں میں ہاتھ پھیرتے دیکھ کر سب جان گئے کہ یہ اس کی کارستانی ہے۔" ماما نے دیا کو بری طرح ڈانٹا۔

"اسے کہہ دیں مجھے آئندہ اپنی صورت نہ دکھائے، مجھے سخت نفرت ہے اس سے۔" اعصابی کشمکش نے اسے سوچنے سمجھنے سے ماورا کر دیا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ خونی نظریں نوشیرواں غزنوی پہ جمی تھیں۔

"بری بات، ہونے والے شوہر کو ایسا نہیں بولتے۔" دادا جی کا انداز ناصحانہ تھا۔ وہ ایکدم ساکت ہو گئی۔

"ہونے والا شوہر..." وہ اچنبھے سے سب کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اس کے تحیر پہ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تمہارے انکار کی "وجہ" نوشیرواں نے بتا دی ہے اور طے ہوا ہے کہ نوشیرواں کے امریکہ جانے سے پہلے تم دونوں کا نکاح ہو گا۔"

"کیا...؟" انکشاف اتنا غیر متوقع تھا کہ دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ لہرا کر نیچے آ رہی تھی۔ حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے نوشیرواں نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تھا۔ اس کی حرکت غیر ارادی تھی۔

"دیا!" اس نے اس کے رخسار تھپتھپا کے آواز دی۔ جیا بھاگ کے پانی لے آئی۔ ماما نے پانی کے چھینٹے مارے تو اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔

"تم خوشی سے بے ہوش ہوئی تھیں یا مارے غم کے؟" جیا شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ استفسار کر رہی تھی۔ وہ ابھی تک غائب دماغی کا شکار تھی۔ دادا جی اتنی بڑی بات مذاق میں نہیں کہہ سکتے تھے، سب کے کھلے چہرے اسے خوشی کی نوید دے رہے تھے۔

"خوشی سے ہوئی تھیں نا۔"

تائی نے بھی چھیڑا تو وہ انہیں کے سینے میں منہ چھپا گئی۔ یکایک ایک بھاری بوجھ اترتا محسوس ہوا۔ اسے آرام کی تاکید کر کے سب چلے گئے۔ ابھی بابا اور تایا جی کو فون کر کے پروگرام طے کرنا تھا۔ اب کمرے میں وہ دونوں رہ گئے تھے۔ اپنے ناخنوں کو دیکھتے نوشیرواں غزنوی کی گہری نظریں خود پہ محسوس کر کے وہ سمٹتی جا رہی تھی۔ اسے اپنی کیفیت پہ غصہ آ رہا تھا۔ وہ بوجھ

دم لڑتے جھگڑتے ہی رہتے تھے۔ نوشیرواں سے شرمانے گھبرانے کی ضرورت تو کبھی پڑی ہی نہیں تھی۔

"محترمہ دیا صاحبہ! اب آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ خاکسار کی صورت سے اب بھی نفرت ہے؟ میری مانو نفرت، محبت میں بدل دو تو اچھا ہے ورنہ ایک لمبی عمر کیسے کٹے گی؟"

وہ شریر ہو رہا تھا۔ وہ جھینپتے ہوئے کچھ دیر پہلے کے مکالمے یاد کر کے مسکرا دی۔

"یہ تو خبر تھی کہ تم مجھے چاہتی ہو مگر اس قدر چاہتی ہو اندازہ نہیں تھا۔ اپنے لیے تمہارا جنونی انداز پسند آیا۔" اس نے اپنے بٹن ٹوٹے شرٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"بولتی کیوں بند ہو گئی تمہاری؟ بول نہیں رہی ہو تو کم از کم ایک نظر دیکھ ہی لو۔" ہمیشہ لڑنے بھڑنے والی دیا نرم گرم جذبوں کا عکس لیے اسے شوخی پہ مجبور کر رہی تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" اس کا بدلا انداز اسے سیٹی بجانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

"کیوں؟"

خفگی سے نظریں اٹھائیں وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظروں کے تصادم پہ اس کی پلکیں جھکتی چلی گئیں۔ سرمئی آنکھوں میں بھی محبت اعلان کر رہی تھی کہ وہ تنہا ہی اس راہ کی مسافر نہیں ہے بلکہ نوشیرواں غزنوی اس سفر میں اس کا ہم سفر ہے۔

"میرا خیال ہے تمہارا شرمانے کا پروگرام خاصا لمبا ہے تو یہ شرٹ پکڑو، جس طرح بٹن توڑے ہیں اسی طرح ٹانکو بھی۔ آخر مستقبل قریب میں تم نے ہی فرائض ادا کرنے ہیں۔"

بلیک شرٹ اتار کر اس کی گود میں ڈال دی۔ وہ چپ رہی۔ وہ کمرے سے نکل رہا تھا جب اس نے اس کی پشت کو دیکھا۔ بلیک جینز اور بلیک بنیان میں اس کی چوڑی پشت پہ نظریں ٹھہر گئیں۔

"وہ دور دور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کے مجھے"

اس کے ایکدم سے پلٹ کر متعجب پوچھنے پہ" وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"کتنا گھنا میسنا ہے۔ بظاہر تو یوں پوز کر رہا تھا جیسے دل کی خبر نہیں۔ محترم ہیں بڑی تیز چیز۔ ہوا نہ لگنے دی کہ خود بھی مبتلائے عشق ہیں۔ ناحق میں جلتی کڑھتی رہی اور اب پل بھر میں سب طے کر لیا۔" فرحت سے سوچتے ہوئے شرٹ پہ ہاتھ پھیرتے اس کی جھنجلاہٹ مسکراہٹ میں بدل گئی۔

☆ ☆ ☆

اتنا ٹائم نہیں تھا کہ کارڈز وغیرہ کا تکلف کیا جاتا۔ خاندان کے لوگوں کو فون کر کے مدعو کیا گیا تھا۔ ایک جنریشن کے لیے بوریت کے دور میں یہ غیر متوقع تقریب خوشگوار تھی۔ سب نے ایک ہفتہ پہلے ہی سے دھاوا بول دیا تھا۔ نوشیرواں غزنوی اور دیا کو گھنے میسنے، استاد جیسے القاب سے نوازا گیا تھا۔ دونوں کی خوب خوب کھنچائی ہوئی تھی۔ اب سب ہی گانے گا کر ڈھولکی بجانے کے موڈ میں تھے۔

جذبے جتنے صادق ہوتے ہیں اتنی ہی کامیابیاں کامرانیاں قدم چومتی ہیں۔ کبھی کبھی قسمت بڑی مہربان ہو جاتی ہے۔ بنا تگ و دو کیے وہ سب ہماری جھولی میں آ گرتا ہے جس کی آرزو ہوتی ہے۔ سادگی فقط نام کی تھی۔ ٹھیک ٹھاک دھوم دھام سے نکاح انجام پایا تھا۔ نکاح کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ ایسے میں گھر سنسان لگنے لگا۔ نوشیرواں غزنوی گھر پہ کم ہی نکلتا تھا۔ دوستوں، رشتے داروں سے ملنا، شاپنگ کرنا آج کل وہ یہی کام کر رہا تھا۔ دیا کچن میں موجود رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ صبح کا نکلا نوشیرواں غزنوی شام ڈھلے کچن میں داخل ہوا۔ اسے کچن میں دیکھ کر تھکن کا احساس زائل ہونے لگا۔ نکاح کے بعد سے تو اس نے جیسے باقاعدہ پردہ شروع کر دیا تھا اور آج اسے تنہا دیکھ کر وہ خود کو روک نہ پایا۔

"السلام علیکم۔" خیالوں میں مگن وہ چونک کے

پلٹی۔ اسے مقابل دیکھ کر رخ پھیر لیا۔

"جواب سے نواز کر مجھ پر بھی سلامتی بھیجو۔" وہ شریر ہو رہا تھا۔

"اے دیا ہے۔" اس کی دھیمی آواز اور گھبرائے انداز پہ وہ ہنس پڑا۔

"یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔"

"پہلے ہمارے درمیان..." بے اختیاری پہ خود ہی لب دبا کر چپ ہو گئی۔

"کیا پہلے ہمارے درمیان...؟" اس نے اسے بولنے پہ اکسایا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" بے چارگی سے گویا ہوئی۔ دیا کو نجانے کیا ہو گیا تھا۔ پہلے وہ اس سے کتنا لڑتی تھی۔ اب اس شخص کی طرف دیکھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ جانے کیسا اثر ہے نکاح کے بول میں۔

"آپ کہہ کر نہیں پکارو گی؟" اس کا شرمایا گھبرایا انداز دل میں اتارتے ہوئے شوخی سے استفسار کیا۔ بلیو جینز، وائٹ ہاف آستینوں والی ٹی شرٹ میں لمبا چوڑا نوشیرواں غزنوی شریر نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"کیوں، تم میں سرخاب کے پر لگ گئے ہیں۔" وہ جھنجلا گئی۔ اس کے قہقہے نے جتایا کہ وہ کیا بول گئی ہے۔

"نوشیرواں مت کرو یوں، مجھے شرم آ رہی ہے۔"

وہ بے ساختہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی۔ وہ قریب آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹا کر اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیے۔ "رومینس" کی خوشبو نے اس کی بے انتہا قربت کا بری طرح احساس دلایا۔ وہ شریر لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔

"کیوں، شرم آ رہی ہے، مجھ سے؟"

"مجھے نہیں پتا، نکلو تم۔" وہ ہاتھ چھڑانے کی سعی کی ناکامی پہ گھور کے رہ گئی۔

"مستقبل قریب میں مجھے نظر تو نہیں آ رہا کہ تم ایک اچھی بیوی ثابت ہو گی۔ میں دن بھر کا بھوکا آیا

ہوں اور تم نے چائے تک نہیں پوچھا۔"
"تم نے لنچ نہیں کیا؟ صبح کو ناشتے میں کیا لیا تھا؟" وہ سب بھول بھال گئی۔ اس کی فکرمندی دیکھ کے نوشیرواں نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا۔
"صبح سے صرف ایک کپ چائے پی ہے۔" سنجیدہ نظر آنے کی کوشش میں وہ خاصا کامیاب نظر آرہا تھا۔
"بہت لاپروا ہو تم' کوئی یوں بھی کرتا ہے۔" اس کی پریشانی پر اس کا سیروں خون بڑھ گیا۔
"بہت مشکل ہوگا تمہیں چھوڑ کے جانا۔" اس کے ہاتھوں پہ دباؤ ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ وہ خواب سے جاگ گئی۔ وہ تو بھولی بیٹھی تھی کہ اسے امریکہ جاکے ڈگری لینا ہے۔
"تم یہاں کیوں نہیں پڑھ لیتے؟" دل کی بات زباں پہ آگئی۔ اداسی نے اپنی گرفت میں لے لیا۔
"پہلے تو شاید پڑھ بھی لیتا' لیکن اب یہاں رہا تو ہماری فیملی میں دو سال میں چار ممبر کا اضافہ ہو جائے گا۔"
"دو سال میں چار۔" وہ ناسمجھ انداز میں دیکھے گئی۔
"بھئی مجھے تو تمہیں بچے بہت اچھے لگتے ہیں' تو دو کے حساب سے چار ہوئے نا۔"
"نوشیرواں!" وہ بری طرح جھینپ گئی۔ پہلے کبھی اس سے شرمانے' لجانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی اور اب اس کے روبرو کھڑے ہونا' ان نگاہوں کی حدت برداشت کرنا دنیا کا مشکل ترین عمل لگ رہا تھا۔ وہ دلچسپی سے اس کا شرمگیں مکھڑا دیکھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر جانے لگی۔
"کھانا تو دیتی جاؤ۔"
"خود ہی نکال لو۔" اس نے ہری جھنڈی دکھاری۔
"ماما! کسی سے کہیں' مجھے کھانا گرم کردے۔" اس نے اونچی آواز میں تائی سے کہا۔
"بیٹا۔۔۔ ربا کچن میں ہے' اس سے کہو۔" تائی کے جواب پہ شوخی سے بولا۔
"اب تو دو گی نا؟"
"نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے کھانا گرم کرنے گئی۔
"تم بھی آجاؤ' جانے ساتھ کھانے کا موقع پھر آئے۔" وہ گویا تھا۔ اس کی آنکھیں جھلکنے لگیں۔ ابھی تو یہ شخص قریب آیا تھا اور پھر بھی جدائی' وصل کے رنگ نہیں چکھے تھے کہ ہجر نے بانہیں وا کردی
"موری معجنی کی آنکھ میں پانی
یہ کیا ہے کہانی پیا پردیس گئے"
وہ میز بجا کر گا رہا تھا۔ تمام بند ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

✻ ✻ ✻

آج نوشیرواں غزنوی کی فلائٹ تھی۔ صبح سے ہی اسے کچھ نہیں بھا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے نین بھی برس رہے تھے۔ جسمانی کشاکش نے ادھ موا کردیا تھا۔ سردرد ناقابل برداشت تھا۔ سردرد کے ساتھ اس نے نیند کی ٹیبلٹ بھی لے لی تھی۔ نجانے کتنے گھنٹے سوتی رہی۔ اب جب آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ خالی دیکھ کے اسے یاد آیا۔ صبح چار بجے کی اس کی فلائٹ تھی اور اب ساڑھے چار بج رہے تھے۔ اسے جگانے کی سب نے کوشش کی تھی۔ اسے خود پہ غصہ آنے لگا۔ کم از کم اس سے مل تو لیتی۔ اب نجانے کب ملاقات ہو۔ دو سال اسے دو صدی لگ رہے تھے۔ کچن میں چائے بناتے وہ مسلسل خود کو لعن طعن کررہی تھی۔
"کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے"
آشنا آواز پہ میکانکی انداز میں مڑی۔ بلیو جینز' بلیو جیکٹ میں ملبوس سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے نوشیرواں غزنوی اسے ساکت کرگیا۔
"تم۔۔۔ تم گئے نہیں؟" وہ متحیر سی قریب آگئی۔ خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔
"میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔"
"رئیلی۔" وہ چیخ اٹھی۔
"پوری بات تو سنو۔ چند گھنٹوں کے لیے ارادہ بدلا

ہے۔"
"مطلب؟" حیران ہوئی۔
"تم سے ملے بغیر تو میں عزرائیل کو روح قبض نہ کرنے دوں۔" پرشوق نظروں سے اس کے مکھڑے کو دیکھتے گویا تھا۔
"اوں ہوں' فضول مت بولا کرو۔" وہ خود کو کہنے سے روک نہ پائی۔ اس کی آنکھیں لو دینے لگیں۔
"قسمت ہم پہ مہربان ہے۔ فلائٹ تین گھنٹے لیٹ ہے۔ سو میں تم سے ملنے چلا آیا۔ بہت کم وقت ہے میرے پاس اور مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" ہاتھ تھامے وہ سیڑھیوں پہ بیٹھ گیا۔ اس کے شانے پہ سر رکھے اس نے بہت ساری باتیں کی تھیں۔ بہت سے وعدے وعید ہوئے تھے۔
سیل فون پہ بجتے الارم نے انہیں وقت گزرنے کا احساس دلایا۔ پو پھٹ چکی تھی۔ بے ساختہ دونوں کے دل نے خواہش کی وقت کی سوئی رک جائے اور وہ مزید پل لمحے حیات سے چرا کر ایک دوسرے کے نام کرجائیں۔ اپنے شانے سے اس کا سر اٹھا کر دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھر لیا۔
"تو میں چلوں؟" اس کی آنکھیں پھر چھلکنے کو بے قرار ہو رہی تھیں۔ دل کسی طور اس شخص کی دوری سہنے کو تیار نہ تھا۔
"مت جاؤ' رک جاؤ۔" اس کے لرزتے لبوں پہ اس نے ایک مسکراہٹ بھری نظر ڈالی تھی۔ آنسوؤں سے بھیگی لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے اس نے سرگوشی کی۔
"مجھے رخصت نہیں کرو گی؟"
"اللہ حافظ۔" وہ ہچکی لیتے ہوئے بولی۔
"نہیں' ایسے تو نہیں۔"
"پھر کیسے؟" ربا کی آنکھوں میں تحیر آ جما۔
"یار! تم منکوحہ ہو میری۔" اس گھڑی اس کی آنکھوں میں ایک پیغام دیکھ کر وہ سر جھکا گئی۔
"ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے۔"
"اگر خبر ہوتی یوں جانا عذاب ہوگا تو رخصتی بھی کروا لیتا۔" اسے جیسے افسوس ہوا۔ اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔
اس کی نظروں کے تقاضوں سے گھبرا کر وہ بے ساختہ کھڑی ہوگئی۔ ان کے درمیان موجود رشتے کا دھیان اور تنہائی نے دھڑکنوں کو منتشر کردیا تھا۔ نوشیرواں غزنوی نے بے ساختہ ہاتھ پکڑ کر واپس بیٹھنے پہ مجبور کردیا۔
"نوشیرواں یہ صحیح نہیں ہے۔" وہ اس کا محرم تھا مگر اسے یہ سب عجیب لگ رہا تھا۔ سماجی تقاضوں سے ہم نظریں نہیں چرا سکتے' ہر چیز کے کچھ اصول و ضابطے ہوتے ہیں۔ اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر اس نے مزید ستانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔
"میں واپس آجاؤں' پھر دیکھنا کیسے تم سے بدلے لیتا ہوں۔ اتنا ستاؤں گا نا کہ' کہیں اماں نہ ملے گی تمہیں۔"
ہولے سے اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے ٹکرائی۔ اس کی جان میں جان آئی' ورنہ تو اس کے انداز نے اسے ڈرا دیا تھا۔ اس نے ایک استحقاق بھری نظر ڈالی اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر مزید رکتا تو شاید خود پہ اختیار کھو بیٹھتا۔
"میں جاؤں؟" اجازت طلب کی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"یار! کچھ تو۔۔۔" اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔ اس نے لمبی سانس لے کر منہ پہ ہاتھ پھیرا۔
"دن گننا شروع کردو تم۔" اسے دھکا تا وہ پلٹ گیا۔ نجانے اس پل دل کو کیا ہوا تھا' جگر میں کیسا درد اٹھا تھا کہ آگے بڑھ کے ربا نے اس کی پشت سے اپنی پیشانی ٹکادی اور پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔ جس شخص کو دیکھے بنا صبح نہیں ہوتی تھی' وہ اس سے بہت دور جارہا تھا۔ چند لمحوں کی جدائی دل کا بوجھ بن جاتی ہے اور وہ تو بہت سارے دنوں کے لیے جدا ہو رہا تھا۔ بازو سے پکڑ کر نوشیرواں نے اسے مقابل کھڑا کیا۔
"ربا۔۔۔ سنو یار! میں کوئی ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔ جدائی کے پل تم پہ بھاری ہوں گے تو مجھ پہ آسان کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسیر محبت تو میں بھی ہوں نا۔ تمہارے

ساتھ تو سب ہوں گے، جبکہ وہاں میں اکیلا ہوں گا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"اس طرح روتی رہیں تو بالکل ختم ہو جاؤ گی۔ آئینہ دیکھا ہے تم نے؟ چار دن میں یہ حال ہے محترمہ کا، نجانے دو سال کیسے گزارو گی۔" وہ اس کی بات سن کب رہی تھی، وہ تو بس روئے جا رہی تھی۔ اسی اثنا میں نوشیرواں کا سیل فون بجنے لگا۔ ایئرپورٹ سے بلال نے کال کی تھی، وہ چند ایک بات کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب تو ایئرپورٹ سے کال بھی آ گئی، ان خبیث کزنز نے سب کو بتا دیا کہ میں یہاں تمہارے پاس ہوں۔"

"میں بھی چلوں تمہیں سی آف کرنے؟" سر اٹھا کر پوچھ رہی تھی۔ اس نے ہتھیلی میں سہلاتے پیشانی پہ آئے بالوں کو اوپر اٹھایا۔

"تم وہاں روئیں تو میں کبھی جا ہی نہ پاؤں گا۔"

"پھر تم جاؤ۔" اس نے شہادت کی انگلی سے پلکیں خشک کیں۔

"تم روؤ گی تو نہیں؟" آنکھیں لفظوں پہ بھیگنے لگی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"او کے زندگی! جلد ملیں گے تم سے۔" پیشانی پہ بکھری لٹوں کو اوپر اٹھاتے جھک کر پیشانی کو نرمی سے چھوتے اس نے پہلا حق استعمال کیا، وہ شرما گئی۔

"آئی ول بی مسنگ یو۔ ٹاٹا۔" اپنے مخصوص انداز میں کہتے اس کا رخسار تھپتھپا کر کی چین جیب سے نکالی۔

"نوشیرواں...!" وہ اس کے پیچھے دروازے تک آئی۔

"کہو جان نوشیرواں...!" اس کی شوخی پہ بمشکل بولی۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

"اور کچھ نہیں کہو گی۔ مثلاً "فرنگیوں سے دور رہنا" وغیرہ وغیرہ۔" وہ شرارت سے چھیڑ رہا تھا۔

"تم ان کے قریب تو جا کے دکھاؤ۔" دانت پیس کر اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ تو نوشیرواں کا زندگی سے بھرپور قہقہہ تادیر گونجتا رہا۔

۞ ۞ ۞

کب کہا ہے تمہیں وفا کرنا
ہو سکے تو کبھی ملا کرنا

ریڈیو فل والیم میں چل رہا تھا۔ دروازہ زور سے کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے انداز پر وہ جھلا گئی۔

"انسانوں والے انداز نہیں اپنا سکتیں تم؟" اپنی دلچسپی میں مخل ہونا اسے سخت گراں گزرا۔

"سحرینہ بجو کی کال ہے۔ جا کر فون سن لو پہلے، بعد میں مجھ پر ریسرچ کر لینا۔" تسخیر کو اپنی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے پا کر وہ بولی اور کمرے سے نکل گئی۔

سحرینہ کی کال کا سن کر دوپٹا لیے بنا اس نے فون کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ہیلو!"

"السلام علیکم!" سماعت سے وہی نرم و مترنم صدا ٹکرائی تو تسخیر ایکسائیٹڈ ہو گئی۔

"سحرینہ تم... اُف، یار! مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا۔" اس کی آواز میں نمی گھل گئی۔

"یہ میں ہی ہوں، یقین کر لو۔" سحرینہ کی آواز پُرنم تھی۔

"یاد آ گئی میری؟" شکوہ تسخیر کے لبوں پہ مچلا۔

"دو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا اور اب میری یاد آ رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم گھر آتیں، خالی فون...۔"

"گھر آؤں گی تو لے کے لینا لیکن کیسے آؤں؟ میں نے دیکھا نہیں ہے، پرانے گھر گئی تو خبر ہوئی کہ لوگ کہیں اور شفٹ ہو چکے ہو۔"

"تمہارا شکوہ بجا ہے، لیکن جانے کیوں ایسا ہوا ہمارے ساتھ۔ کبھی سوچوں تو افسانہ لگتا ہے۔" کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

"ہم ہمیشہ ساتھ رہے، ایک دوجے کے دکھ سکھ

سے آشنا رہے مگر دو سال نجانے کیسے بیت گئے۔"

"ساری غلطی تمہاری ہے۔ نہ تم کیلگری جاتیں نہ ہم بچھڑتے۔" جدائی کی زہر بجھی تلوار کے گھاؤ کی کسک سحرینہ کے لہجے سے عیاں تھی۔

"میں خود کون سا اپنی مرضی سے گئی تھی۔ دادی چاچو کے پاس کیلگری میں ہوتی تھیں۔ دادی کی طبیعت خراب ہو گئی انہیں فل ٹائم کسی کی ضرورت تھی۔ چاچو اور چاچی ہسپتال کے باعث کم ہی ٹائم دے پاتے تھے، پاپا اور ماما نے چاہا کہ دادی پاکستان آ جائیں مگر انہیں چاچو سے محبت بہت تھی، چھوٹے اور لاڈلے بیٹے جو تھے۔ بابا کے کہنے پہ مجھے ان کی تیمارداری کے لیے جانا پڑا۔ سال بھر مجھے وہیں رہنا پڑا اور دادی کے انتقال کے بعد میں لوٹ آئی۔ نئے گھر میں شفٹ ہونے کے بعد تمہارے گھر گئی تو پڑوس سے معلوم ہوا کہ فرا آپی کی شادی کے بعد تم نے وہ گھر چھوڑ دیا۔" تسخیر نے شکوہ کیا۔

"ان دو سال میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ فرا آپی کی ایک سالہ بیٹی ہے۔"

"آپی کی شادی کے بعد تم کہاں ہو؟" تسخیر لمحوں میں سب جان لینا چاہتی تھی۔

"خالہ کے پاس ہوں۔ میں فرا آپی جتنی بہادر نہیں ہوں کہ اکیلے رہ سکوں۔"

"ایسی بہادری بے وقوفی کے زمرے میں آتی ہے۔ کیسا لائف ہے خالہ کی فیملی کا؟ تو خوش ہے وہاں؟" اس کے لہجے کی فکرمندی نے سحرینہ کا سیروں خون بڑھا دیا۔

"فیملی میں لوگ ہی کتنے ہیں۔ خالہ، خالو، میں اور اطمینان۔ پچھلے دنوں اتنی پریشانی رہی کہ میں پتا نہ کر پائی کہ تم کیلگری سے لوٹیں یا نہیں۔ خالہ کے گھر شفٹ ہونے کے بعد گئی تو تم لوگ بھی مکان تبدیل کر چکے تھے۔ وہ تو اتفاق سے شاپنگ سینٹر میں تمہاری پھپھو مل گئیں اور ان سے میں نے تمہارا نمبر لیا۔"

"تھینکس گاڈ! ہم میں رابطہ تو ہوا۔" تسخیر نے تشکر بھری سانس خارج کی۔

وہ دو سال کے طویل وقفے کے بعد دو دوستیں ایک ہو گئی تھیں۔ گریجویشن تک دونوں کا خوشگوار ساتھ رہا تھا۔ دونوں کے گھروں کے مابین خاصا فاصلہ تھا، سو آنا جانا کم ہی ہوتا تھا۔ ملاقات تو اسکول، کالج میں ہو ہی جاتی تھی پھر وہ وقت بھی آیا جب دونوں جدا ہو گئیں۔ آج ایک بار پھر دونوں مل گئی تھیں۔

"اب بھی کیا کر رہی تھیں؟"

"غزل کو سن رہی تھی۔"

"تو ابھی تک اسے سنتی ہے؟" سحرینہ کو حیرانی ہوئی۔ ایک وقت تھا کالج کا، دونوں ذوق و شوق سے اس کا پروگرام سنتی تھیں۔

"اب بھی اس سے کانٹیکٹ ہے؟" سوالات کر کے دونوں دو سال کو لمحوں میں سمیٹ لینا چاہتی تھیں۔

"دو بچوں کے ابا سے کیا کانٹیکٹ کرنا۔ اس کی شادی ہو گئی ہے۔ میں جب کیلگری میں تھی تب اس ہرجائی نے شادی کر لی، ورنہ جاتی عین نکاح کے وقت کہتی۔ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔" وہ ہنس پڑی تھی اور اس کی ہنسی میں کانچ کی کرچیاں محسوس کر کے سحرینہ حیران رہ گئی۔

"تسخیر...!" اندر کے خوف نے لبوں سے نکلتے جملوں کو کھا لیا، اس نے خود ہی اعتراف کر لیا۔

"ہاں یار! خبر ہی نہ ہوئی کب وہ زندگی بن بیٹھا۔ بنا دیکھے، بنا ملے فقط آواز کے سحر نے اسیر کر لیا۔ اسے تو خبر ہی نہ ہو گی کوئی اس کے لیے جاں سے جانے کو تیار ہے۔" عجیب لوٹا لہجہ تھا۔ سحرینہ کو اسے سمجھانا مشکل لگ رہا تھا۔

محبت سمجھانے سے کب سمجھتی ہے، روکنے سے کب رکتی ہے، ٹھہرانے سے کب ٹھہرتی ہے۔ یہ تو ندی کی طرح بہتی چلی جاتی ہے، کسی بند کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتی۔ محبت اونچ نیچ نہیں دیکھتی۔ حسب نسب کے جھمیلوں میں نہیں پڑتی۔ دوریاں کے جواز کو نہیں مانتی۔ اس کی موجودگی سے انحراف

کر کے اس سے دامن نہیں چھڑایا جا سکتا۔

اس نے فون بند کر کے وال کلاک کی سمت دیکھا اور ماما کے پاس بیٹھ کر مٹر کے دانے نکالنے لگی۔

"کس کا فون تھا؟" انہوں نے گفتگو شروع کی۔

"سحرینہ کی کال تھی۔"

"کیسی ہے وہ؟"

"اچھی ہے۔"

"تم کیوں اداس ہو؟" ماما نے فکرمندی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"سحرینہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کبھی خود کو اس کی جگہ تصور کروں تو اس کی ہمت کو سراہنے کو جی چاہتا ہے۔ کچھ لوگوں کی قسمت کتنی عجیب ہوتی ہے ماما! سحرینہ آٹھ سال کی تھی جب اس کی ماما چل بسیں۔ وہ کلاس 8th میں آئی تو بابا کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر زمانے کے رحم و کرم پہ دو بیٹیوں کو چھوڑ گئے۔ فقط دو بہنیں ایک دوسرے کا سہارا تھیں۔ فرا آپی کی سلائی کڑھائی اور انکل کی قلیل پنشن سے گھر کا گزر بسر ہو رہا تھا۔ فرا آپی نے سحرینہ کو گریجویشن بھی کروایا۔ ان کی ہمت قابل داد ہے۔ ان کی شادی ہو چکی ہے۔ رب انہیں خوش رکھے۔ سحرینہ آج کل خالہ کے گھر رہ رہی ہے۔ کچھ لوگوں کی زندگی دکھوں سے عبارت ہوتی ہے اور سحرینہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔" اس کا افسردہ لہجہ ماما کو بولنے پہ مجبور کر گیا۔

"وہ جس نے ہمیں پیدا کیا' وہ ہم سے بے نیاز نہیں ہے۔ اس نے دکھ کے بادل برسائے ہیں تو سکھ کی ہوا بھی چلائے گا۔ غم' خوشی دونوں ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ غم 'آزمائش کا دوسرا نام ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خود اپنے اردگرد سے خوشیاں اکٹھی کریں۔ خوشیاں اکٹھی کرنے میں بعض اوقات ہم غم کو مہمان ٹھہرا لیتے ہیں۔ مگر اوپر والا بے نیاز نہیں ہے۔ وہ غم کے بعد کوئی بڑی خوشی دان کرتا ہے جس پار گزرا غم اس خوشی کے مقابل چھوٹا لگنے لگتا ہے۔ اللہ نے سحرینہ کے لیے بھی کسی بڑی خوشی کا انتخاب کر رکھا ہو گا اور کسی خاص وقت وہ خوشی اس کے نام کر دے گا۔" ماما کی باتوں نے اس کی اداسی دور کر دی' وہ فراخدلی سے مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"اطمعاش آ گیا بیٹا۔" خالو باہر سے ابھی لوٹے تھے' سنک پہ ہاتھ دھوتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی خالو۔" وہ گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی۔

خالہ' خالو نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں۔ اسی اثنا میں گریبان کے بٹن بند کرتا وہ چلا آیا۔ وائٹ کرتا اور بلیک جینز میں وہ شاندار لگ رہا تھا۔ کرسی کھینچ کر وہ بھی بیٹھ گیا۔

"کیا پکایا ہے؟" وہ پلیٹ سیدھی کرتے بچوں کی طرح اشتیاق سے ڈونگے میں جھانکنے لگا۔ کھانے کے معاملے میں بڑا چوزی تھا۔

"جو بھی پکا ہو گا تمہاری پسند کو مدنظر رکھ کر پکایا ہو گا سحرینہ نے' کیونکہ ہم سب تو صبر و شکر کے ساتھ ہر چیز کھا لیتے ہیں۔ تم ہی شور مچاتے ہو اور یہ بتاؤ دیر کیوں ہوئی؟"

"آج کچھ اہم میٹنگ رکھی تھی' اسی لیے دیر ہو گئی۔"

"کتنی جان مارو گے تم' ایک دن کی محنت سے سب ٹھیک نہیں ہو جائے گا۔ لوٹنے والے ایک منٹ میں لوٹ لیتے ہیں' انہیں ایک لمحے کو بھی یہ خیال لازم نہیں کرتا کہ اس کے پیچھے کتنی راتوں کا چین اور دن کی محنت صرف ہوئی ہے۔"

خالہ افسردہ ہو گئیں۔ خالو اپنی جگہ چور بن گئے۔ پچھلے سال انہوں نے عزیز نامی شخص کو بطور پارٹنر بزنس میں شامل کیا تھا مگر وہ کمال کا دھوکے باز شخص سارے روپے لے کر رفوچکر ہو گیا۔ رپورٹ درج کرائی مگر گئی دولت ہاتھ کب آتی ہے۔ جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ بزنس ختم کرنے کی نوبت آ گئی۔ خالہ نے برے وقتوں کا تمام زیور بیچ کر اس بزنس کو بچانے کی سعی کی۔ بزنس تو اپنا رہ گیا' ساکھ بری طرح متاثر ہوئی۔ اطمعاش دن رات کمپنی کی ساکھ بحال کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ اس کی شبانہ روز محنت رنگ

لانے لگی تھی۔ بڑے بڑے کنٹریکٹ ایک بار پھر ملنے لگے تھے۔

"تمہیں بولنا کب آئے گا؟" اب اس کی نگاہ سحرینہ پہ تھی۔

"جی!" وہ خاموشی سے ان کے مابین ہوتی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کا ایکدم سے اپنی طرف متوجہ ہو جانا اور پھر عجیب سا سوال' اسے استعجاب نے آن گھیرا۔

"دو سال ہو گئے تمہیں اس گھر میں آئے مگر انداز پہلے روز والا برقرار ہے۔ ہماری گفتگو میں حصہ نہیں لیا جاتا تم سے؟" اس کا لہجہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ یہ گلہ تھا یا آرڈر' وہ نا سمجھ انداز میں کہہ اٹھی۔

"میں کیا بولوں۔" نفی میں سر ہلاتے اطمعاش نے اسے گھورا۔

"تم چائے پلاؤ۔" وہ چپ چاپ اٹھ گئی۔

"کیا کشمیری لڑکی ہو' کبھی تو انکار کر دیا کرو۔ ہر وقت حکم کی تعمیل اچھی نہیں لگتی۔" پتا نہیں کیسا تھا وہ' وہ بری پھنسی تھی۔ بے چارگی سے خالہ کی طرف دیکھا۔ انہیں اس پہ ترس آ گیا۔

"کیوں پیچھے پڑے رہتے ہو اس کے' ہر بات میں اعتراض کرتے ہو؟" اس نے جواب میں کیا کہا' وہ کچن کی طرف جاتے سن نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

نوشیرواں غزنوی جاتے سے چین' سکون' مسکراہٹ سب اپنے سنگ لے گیا تھا۔ کئی روز تو دیا بولائی بولائی پھری۔ گھنٹوں نوشیرواں غزنوی کے کمرے میں گزارتی۔ ایک شخص کے نہ ہونے سے اس کی زیست بے رنگ ہو گئی تھی۔ اس کی جدائی سب ہی کو کھل رہی تھی مگر دیا تو جیسے دنیا سے کٹ کے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھی۔ کسی کے سمجھانے کا اس پہ اثر نہ ہوا تو دیا نے نوشیرواں کو شکایتی فون کھڑکا دیا۔ جواب میں ڈھیروں چاہت کے ساتھ اس نے اشعار SMS کیے تھے۔

بے چارگی کا اپنی تماشا تو مت کرو
ہنسنا محال ہی سہی رویا تو مت کرو
آنگن میں آؤں گا کبھی میں چاندنی لیے
اس انتظار میں رات بھر جاگا تو مت کرو
کہتے ہیں مجھ سے لوگ کہ تم ہو بجھی بجھی
یہ کیا ستم ہے عشق کو رسوا تو مت کرو
تم کو ہے مجھ سے پیار بہت جانتا ہوں میں
لیکن اداس رہ کے چرچا تو مت کرو

محسوسات پہ جبر آسان نہیں مگر وہ اس کے کہے کا مان رکھنے لگی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

چھٹی کا دن تھا' ناشتا سب دیر سے ہی کرتے تھے۔ ناشتے کے برتن دھو کر وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ دفعتاً ڈور بیل بجی۔

"تم رہنے دو' میں دیکھتا ہوں۔" وہ کچن سے نکل رہی تھی جب اطمعاش زکی صوفے سے اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔

"السلام علیکم!" حسب عادت اطمعاش زکی نے دروازہ کھولتے ہی سلام کیا۔ باہر بائیک کھڑی تھی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اترے تھے۔

"وعلیکم السلام۔" لڑکے نے مصافحہ کیا۔

"خالہ یہیں رہتی ہیں؟ یہ خالہ کا گھر ہے؟"

"جی!" لڑکی کے عجیب و غریب سوال پہ جہاں لڑکا سر پہ ہاتھ رکھ گیا' وہیں اطمعاش زکی اسے "متفکر" نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"سر! ایکچولی ـــــ" لڑکا گویا ہوا تھا کہ سحرینہ سیڑھیاں پھلانگ کر دروازے تک پہنچی۔

"تسخیر!"

"سحرینہ!" ایک چیخ سحرینہ نے ماری اور دوسری تسخیر نے پھر دونوں نے سرعت سے دوریاں پاٹ لیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے نظروں ہی نظروں میں مسکراتے ان کی گرمجوشی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

"میرا خیال ہے ہم ایک دوسرے سے خود متعارف ہو جائیں کیونکہ فارملیٹی کے کوئی آثار نظر

نہیں آرہے ہیں۔ میں اطمعاش زئی ہوں، سحرینہ کا کزن۔"

"اور میں اجود ہوں، آپ کی محترمہ کزن کی فرینڈ کا بھائی۔" اطمعاش اور اجود ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تو وہ سحرینہ کے ساتھ کچن میں چلی آئی۔

"تم یہاں کہاں آگئیں؟ آرام سے اندر بیٹھو نا۔ تب تک میں تمہاری تواضع کے لیے کچھ تیار کرلوں۔"

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ جواب دینے ہی لگی تھی جب خالہ ادھر کو آنکلیں۔

"کون آیا ہے سحرینہ؟"

"میں ہوں خالہ، تسخیر۔" وہ خود ہی آگے بڑھ کے بولی تو وہ مسکراہٹ نہ روک سکی۔ اسے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ گھنٹے بھر خالہ سے باتیں بگھارتی رہی۔

"تم میری دوست ہو یا خالہ کی؟" اس سے برداشت نہ ہوا۔

"بڑی پیاری بچی ہے، تم نے کبھی ذکر نہیں کیا سحرینہ؟" خالہ شکوہ کررہی تھیں۔ تسخیر فرضی کالر جھاڑ رہی تھی اور وہ سوچ کے رہ گئی۔

"آپ کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوں خالہ! ہر پل اس احسان کو چکانے کے لیے جوڑ توڑ کرتی رہتی ہوں۔ جب میں خود کو اس گھر میں اجنبی محسوس کرتی ہوں تو خود سے جڑے لوگوں کا ذکر کیوں کروں۔"

اجود جا چکا تھا۔ تسخیر کو ڈراپ کرنے کی ذمہ داری خالہ نے لے لی۔ خالہ نے بعد اصرار انہیں کچن بدر کیا اور خود لنچ تیار کرنے لگیں۔ دونوں کہتی رہیں کہ وہ کام کے ساتھ باتیں بھی کرتی رہیں گی مگر خالہ نے ایک نہ سنی۔

"یار! تیرا کزن تو بہت ہی ہینڈسم ہے۔" وہ اس کے بیڈ پہ تکیہ دبوچے اشتیاق سے کہہ رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ اسے گھورا۔ "خدارا ان مشکوک نگاہوں سے نہ گھورو، ہم پہلے ہی دل کی بازی ہارے بیٹھے ہیں۔"

"بہت بدتمیز نہیں ہوگئی تو؟" اس کی رکی سانس بحال ہوئی۔

"اور بہت سنجیدہ نہیں ہوگئی تو؟" وہ اسی کے انداز میں بولی۔

"میں جب بھی اس سچویشن پہ کہانی پڑھتی ہوں تو پتا ہے، بے ساختہ دل چاہتا ہے۔ کاش کچھ ایسا ہو جائے اور میں بھی بوریا بستر سمیت کسی خالہ، پھپھو کے گھر رونق بخشوں اور پھر وہیں سے ایک سنسنی خیز لو اسٹوری کی شروعات ہو۔"

وہ ایڈونچر زدگی شوقین ایسی ہی عجیب و غریب خواہش بیان کرسکتی تھی۔ آسائش میں پلنے والی زمانے کے سرد گرم کا اندازہ نہیں تھا۔

"ایسی بات نہیں کرتے تسخیر! اپنا گھر جیسا بھی ہو اپنا ہوتا ہے۔ ملکیت کا احساس ہر پل ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں سب مجھ سے محبت کرتے ہیں مگر ہر کام کرتے ہوئے مجھے ہمیشہ خوف محسوس ہوتا ہے جیسے گلاس ٹوٹ گیا تو کہیں خالہ کچھ کہہ نہ دیں جبکہ اپنے گھر میں کوئی پروا نہیں ہوتی کہ کبھی ٹوٹنے کی چیز تھی ٹوٹ گئی۔ میری ہر ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ میں دن بدن احسانوں کے بوجھ تلے دب رہی ہوں۔"

"اپنوں کی محبت احسان نہیں ہوتی۔" تسخیر بے ساختہ کہہ اٹھی۔

خالو دوست کے گھر سے آگئے۔ دونوں نے مل میز پہ کھانا لگا لیا۔ اطمعاش زئی بالوں میں انگلیاں چلاتا اسٹڈی سے برآمد ہوا۔ سحرینہ کی نظریں سرعت سے رخ بدل گئیں مگر تسخیر کی نظروں سے اس کی ادا مخفی نہ رہ سکی۔ کھانے کے بعد وہ اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟"

"کیا مطلب؟" سحرینہ نے پوچھا۔

"وہی چپ چاپ سا لہجہ
وہی بے چین سی ہلچل
وہی سکھیوں سے کتراتا
وہی کہنے سے کچھ ڈرنا
سب ہی آثار کہتے ہیں
تمہیں اس سے محبت ہے۔"

تسخیر کے نظم پڑھنے پہ وہ سٹپٹا کے رخ پھیر گئی۔ دل کا چور شور مچانے لگا تھا۔

"کب ہوا یہ حادثہ جسے زبان زد عام میں محبت کہتے ہیں؟" چند گھنٹے میں اس نے ہر چیز کا از سر نو جائزہ لیا تھا۔

"کون سا حادثہ؟" انگلیاں چٹخاتے اس نے بے نیاز نظر آنے کی بھرپور کوشش کی۔

"جان گئی ہوں، تم خالہ کی محبت کو احسان گردانتی ہو۔ بے لوث محبت احسان نہیں ہوتی اور میں نے خالہ سمیت ہر فرد کو تم سے بے لوث محبت کرتے دیکھا ہے۔ تم اپنی سوچوں سے بھاگنا، جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ تم کو محبت ہوئی ہے مگر میں نے محسوس کیا ہے تم خود کو مجرم تصور کرتی ہو۔ تم دونوں نے شادی کرنی ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ تم دونوں ایک دوسرے کے ہم سفر ہو۔ اس میں برائی کیا ہے؟ تم نے ذہن و دل میں اطمعاش کو زبردستی تو جگہ نہیں دی نا۔ اس نے کبھی کچھ کہا، اظہار کیا؟" اس کے ڈرے سہمے انداز سے جان گئی تھی کہ محبت یکطرفہ ہے، تب ہی سوال کیا۔ حسب توقع اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے امید ہے یقیناً کوئی ایک لمحہ اطمعاش کے دل پہ بھی دستک دے کر اس کے جذبات کو بیدار کردے گا۔ میں اس ایک لمحے کے لیے دعا مانگوں گی۔" اس نے خلوص سے کہا۔

☆ ☆ ☆

بوریت سے بچنے کے لیے دیا نے ایوننگ آرٹ اسکول میں ایڈمیشن لے لیا اور ایک اچھی مصروفیت اس کے ہاتھ لگ گئی۔ رنگ اور برش سے کھیلنا اسے اچھا لگ رہا تھا اور دل بھی جیسے بہلنے لگا تھا۔ پہلی پینٹنگ اس نے نوشیرواں غزنوی کی بنائی تھی۔ پینٹنگ مکمل ہونے کے بعد اس نے بھرپور نظروں سے اس کے عکس کو دیکھا۔

محبت کے جواب میں محبت ملے تو دلوں کی بستی پہ جنم لینے والا پودا تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے۔ لیپ ٹاپ سسٹم اس کے پاس تھا۔ اکثر ہی وہ چیٹنگ کرتا تھا۔ دن بھر میں ان گنت SMS کرتا تھا۔ اس کی محبت کی شدت کا اسے ٹھیک ٹھاک اندازہ ہوا۔ نیو ایئر پہ اس نے کارڈ اور گفٹ وصول کیا تو دل مغرور ہونے لگا۔ سات سمندر پار رہ کر بھی وہ ہر پل اس کے نزدیک تھا۔

پینٹنگ کلاس آف ہوئی تو وہ پرس میں اپنی چیزیں ڈالنے لگی۔ نازش اس تک آئی۔

"دیا! کیا میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں؟ اکچولی میرے بھائی آج مجھے لینے نہیں آئیں گے۔ تمہارا گھر تو اسی سائیڈ ہے، ہم دونوں واک کرتے ہوئے چلتے ہیں۔"

"شیور۔" پرس کاندھے پہ لٹکائے وہ اس کے سنگ قدم اٹھا رہی تھی۔ پینٹنگ کلاس میں نازش پہلی لڑکی تھی جس نے پہلے روز اس سے کہا تھا۔

"کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟"

"میں دشمنی تو کسی سے نہیں کرتی، تم سے بھی دوستی کرسکتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا تھا جسے نازش نے تھام لیا تھا۔ آرٹ اسکول سے نکل کر اب وہ مین روڈ پہ آگئی تھیں۔

"تمہارے گھر میں کتنے ممبرز ہیں دیا؟" واک کرتے نازش نے یونہی بے سبیل تذکرہ استفسار کیا۔

ذاتی باتیں ان کے مابین آج تک نہیں ہوئی تھیں۔

"دادا جی ہمارے گھر کے سربراہ ہیں، نہایت ہی مشفق اور میرے بہترین دوست ہیں۔ دادی جی کا انتقال اس وقت ہوا جب میں بارہ برس کی تھی۔ تایا جی اور پاپا پکے بزنس مین ہیں۔ گھر پہ ہوں تو آفس کا سماں لگتا ہے۔ تائی اور ماما ہاؤس وائف ہیں۔ تایا جی اور تائی کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے اور میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ اللہ کا شکر ہے ہمارا گھرانہ روایتی چپقلش سے پاک ہے۔"

"تم انگیجڈ ہو؟"

"میری آدھی شادی ہوچکی ہے۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔ خود سے جڑا شخص تصور کے پردوں پہ لہرایا۔

"مطلب؟"

"منکوحہ ہوں اپنے تایا زاد کی۔"

"اوہ! پھر رخصتی کب ہو رہی ہے؟ ایک گھر میں رہتے تمہارا کزن رخصتی پر زور نہیں دے رہا ہے۔" اس کی بات پر وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"اگر وہ گھر میں ہوتا تو کب کی ہو چکی ہوتی رخصتی۔ محترم "وچشل وینیا" یونیورسٹی کی قسمت خراب کرنے گئے ہیں۔" جواباً شوخی سے گویا ہوئی۔

"تم نے اسے منع نہیں کیا، روکا نہیں؟"

"اس کا دیرینہ خواب تھا "وچشل وینیا" سے ایم بی اے کی ڈگری لینا پھر میں اس کے شوق کی راہ میں کیوں آتی۔"

"تم زی بدھو ہو۔ تم پیپر نہیں پڑھتیں، ایجوکیشن اور جاب تو فقط بہانہ ہوتا ہے اصل میں تو دیارِ غیر میں مردوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے، ورنہ ہمارے ملک میں پڑھائی نہیں ہوتی یا جاب نہیں ملتی؟ میری مانو اسے واپس بلالو۔ دیر ہو گئی تو مغرب کی چکاچوند سے اس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اور تم عمر بھر روتی رہو گی۔" نازش کے حرف حرف سے تلخی ٹپک رہی تھی۔

"ہر انسان ایک جیسا نہیں ہوتا نازش!" اس کی باتیں سخت ناگوار گزریں۔

"کیچڑ بھری راہ گزر سے یہ سوچتے ہوئے گزرنا کہ کپڑے آلودہ نہیں ہوں گے، مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

"تم خود ہی سوچو جہاں جگہ جگہ دعوت گناہ دیتی لڑکیاں ہوں، وہاں کوئی شخص کیونکر پاک صاف رہ سکتا ہے۔ نگاہ کے سامنے موجود مرد "چوری" سے اجتناب نہیں کرتے پھر تمہارا کزن تو تم سے بہت دور ہے۔ تم کو اس کے شب و روز کی کیا خبر۔"

دیا اسے چپ کرانے کا سوچتی رہ گئی اور وہ بولتی رہی۔ حتیٰ کہ گھر آنے پہ وہ ہاتھ ہلاتی اپنی گلی میں مڑ گئی۔ دیا دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہی تھی مگر پیروں میں منوں بوجھ اتر آیا تھا۔ نازش کی باتیں، دیارِ غیر کے بے حجاب نظارے، بے نام و نشان جنم لیتے اپنے دل میں اضطراب اتر آیا۔ محبت جتنی شدید ہوتی ہے اتنا ہی شدید خوف محبت کے بچھڑ جانے کا ہوتا ہے۔ محبت کی جھیل پہ ڈر کا پتھر آ گرا تھا اور ساکن جھیل میں ارتعاش بپا ہو گیا تھا۔

"سلمان پاکستانی احمر وقار کو اس کی انگریز بیوی جولیا اسمتھ نے کراچی سے ڈھونڈ نکالا۔ احمر وقار تلاش روزگار کے لیے امریکہ گیا تھا۔ گرین کارڈ کے حصول کے لیے اس نے جولیا اسمتھ سے شادی کی تھی جس سے اس کے تین بچے ہیں۔ ایک دن بتائے بنا احمر وقار پاکستان چلا گیا۔ جولیا اسمتھ نے دو سال انتظار کیا اور جب احمر وقار واپس نہیں آیا تو جولیا نے امریکی کونسل سے رابطہ کیا۔ احمر وقار نے پاکستان آکر شادی کرلی تھی اور اس کی دوسری بیوی سے ایک بیٹا ہے۔ جولیا نے احمر وقار کے خلاف کیس دائر کر دیا ہے۔" خبر پڑھ کر اس کا دل بند ہونے لگا۔ دل میں ابال اٹھتا محسوس ہوا۔

"اگر احمر وقار کی جگہ نوشیرواں غزنوی ہوتو؟"

"اللہ نہ کرے!" وہ جھرجھری لے کر ٹہلنے لگی۔ بے چینی حد سے سوا ہو رہی تھی۔ پینٹنگ کلاس میں بھی اس نے نازش کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا، اپنی چیزیں سمیٹ کر تیزی سے نکل گئی۔ نجانے کیسا ڈر تھا جس سے وہ بھاگنے لگی تھی۔ ویلنٹائن ڈے پہ نوشیرواں غزنوی کی طرف سے ریڈ پھولوں کا بکے اور سلور گولڈ کی لاکٹ دیکھ کر وہ وقتی طور پہ سب بھول گئی۔ لاکٹ میں دونوں کا نام ساتھ ساتھ جگمگا رہا تھا۔ رات کال کر کے وہ اسے خوب تنگ کر رہا تھا۔

"میرا نوشیرواں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" سونے سے پہلے اس نے خود کو باور کرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

خالو، خالہ کے ساتھ اپنے بہنوئی کی عیادت کو گئے تھے۔ چھٹی کا دن تھا، سو اطمعاش زئی گھر پہ تھا۔ وہ بچوں کے فائنل سمسٹر کی کاپیاں چیک کر رہی تھی۔ ڈور بیل بجی تو دروازہ کھولنے چل دی۔ چوکیدار نہ جانے کہاں تھا۔ اجنبی شخص پچیدہ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھا ہوا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے حسب عادت سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! میں رامش ہوں۔ اطمعاش گھر میں ہے؟ اس نے مجھے گھر بلایا تھا۔" گرمجوشی سے جواب دے کر تعارف کے ساتھ آمد کی وجہ بھی بیان کی۔

"اندر آجائیے۔" اس کی نظروں سے خائف ہو کر وہ سائیڈ پر ہو گئی۔

"بیٹھیے۔" ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کر کے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے دو تین بار آوازیں دیں مگر وہ گہری نیند میں تھا۔ اب کے اس نے ہمت کر کے آہستگی سے بازو ہلایا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ جھلا کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پہ پاؤں مارا۔ نازک گلدان بجھ ریزہ ہو گیا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ مندی مندی آنکھوں سے وہ پچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" نظریں ٹوٹے گلدان پہ تھیں۔

"رامش ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"وہ شٹ!" کمبل پھینک کر وہ واش روم کو دوڑا۔ وہ چائے بنانے کی نیت سے کچن میں چلی آئی۔ فریج میں کباب پڑے تھے۔ انہیں فرائی کیا۔ کیبنٹ سے پلیٹ نکال کر بسکٹ پلیٹ میں رکھنے لگی۔ اطمعاش فریش ہو کر جا چکا تھا۔ چائے بھی تیار تھی، وہ خود لینے نہیں آیا تو ناچار اس نے ڈرائنگ روم کے دروازے پہ دستک دی۔ دروازہ کھلا مگر اطمعاش کی جگہ رامش کو دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"اطمعاش! اسٹڈی میں گیا ہے، لائیے۔" اس نے اپنی خدمت پیش کی۔ ٹرے دے کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اسے رامش پہ رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

"تمہاری تو کوئی بہن نہیں ہے پھر یہ لڑکی۔۔؟" وہ آیا تو رامش پوچھ بیٹھا۔

"میری کزن ہے۔ چائے پی کر اسٹڈی ہی میں کام کر لیتے ہیں۔"

"ایز یو وش۔" وہ سپ لیتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

☼ ☼ ☼

"بابا! میں ایک اور فیکٹری قائم کرنا چاہ رہا تھا۔ رامش سے تو آپ لوگ واقف ہیں ہی، اس نے پارٹنرشپ کی آفر کی ہے۔"

رات کافی کے سپ لیتے وہ گویا تھا۔ "جتنی محنت تم کر رہے ہو اور جس طرح پرانی چیزیں اللہ نے ہمیں لوٹا دیں، وہی کافی ہے۔ پارٹنرشپ تو تم رہنے ہی دو۔ ایک دھوکہ کافی ہے ہمارے لیے۔" خالو سے پہلے خالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔

"ایک شخص کے دھوکے کے بعد ہر شخص کو بے اعتباری کی عینک سے دیکھنا کہاں کی دانشمندی ہے۔" اس نے سمجھانا چاہا۔

"مگر احتیاط اچھی چیز ہے۔ رامش کیسا ہے، نہ تم اسے زیادہ عرصے سے جانتے ہو، نہ ہم اور پھر عمل کا دارومدار نیت پر ہے تمہیں جو ملنا ہے، وہ کسی کی مدد کے بغیر بھی ملے گا۔ اوپر والے نے چاہا تو دوسری مِل بھی لگ جائے گی۔ ویسے بھی ابھی اکیلے بڑی بلا ہے۔" اس نے خالو کا خیال جاننا چاہا۔

"تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا! دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔"

"اور تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ ساری گفتگو بغور سن رہی تھی، جب اس نے اسے متوجہ کیا۔

اس کی رائے کی اہمیت تھی اس کی نظر میں یا صرف خانہ پُری کے لیے پوچھ رہا تھا۔ یہی بہت تھا کہ اس نے پوچھنے کی زحمت کر لی تھی۔

"میں بھی خالہ، خالو سے متفق ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تو میں کیوں اختلاف کا پرچم لہراؤں، میں بھی آپ سب سے اتفاق کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کر سونے چلا گیا۔ وہ تھک کر بیٹھ گئی۔ اطمعاش زئی کا بیگانہ انداز اسے

تھکانے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

اندر کی آواز دبے تو باہر بڑھ جاتا ہے شور
اور پھر جیسے سرحد پہ رہتا ہے دشمن ڈٹا ہوا

نور کی برتھ ڈے تھی۔ آج کل کے مصروف دور میں جہاں کسی کے پاس وقت نہیں تھا' وہیں ان کی محبت مثالی تھی۔ ان کزنز نے ایک اصول بنا رکھا تھا کہ بھلے کہیں بھی ہوں مگر ہر ایک کی برتھ ڈے پہ اکٹھا ہونا لازم ہے اور اس اصول کی آج تک پاسداری ہو رہی تھی۔ سارے کزنز موجود تھے۔ نور بلیک سوٹ میں چمکتی پھر رہی تھی۔ ریا اور جیا بھی آگئیں تو محفل میں جان پڑ گئی۔ کیک کاٹنے کو سب تیار تھے جب کوریئر سروس سے نور نے پارسل وصول کیا۔ نور کی چیخ بے ساختہ تھی۔ نوشیرواں غزنوی نے گفٹ بھیجا تھا جتنی حیرانی ہوتی کم تھا۔ سب اس کی کمی محسوس کر رہے تھے اور اس کا گفٹ بھی آگیا۔

"کزن ہو تو اس جیسا۔" فرحاد نے سراہا۔ ریا بے ساختہ مسکرا دی۔ جو شخص امریکہ میں رہ کر فرینڈشپ میں کزن کی برتھ ڈے یاد رکھتا ہے' اس پہ شک کرنا اس سے متنفر ہونا اسے حماقت لگا۔ ان کے درمیان ایک مضبوط بندھن تھا اور وہ پھر بھی خوف و ہراس میں جکڑی ہوئی تھی۔ یکایک اس نے اعصاب سے بھاری بوجھ ہٹتے محسوس کیا پھر نوشیرواں کی کال بھی آگئی تو سب مزید پرجوش ہو گئے۔

"بہت چپ بیٹھی ہو ردا! بات کیا ہے؟" ریفریشمنٹ سے فارغ ہو کر وہ ردا کے پاس آبیٹھی۔

"اس سے کچھ مت پوچھو' یہ سخت رنجیدہ ہے۔" جویریہ قریب چلی آئی۔

"رنجیدہ مگر کیوں؟" وہ تحیر سے ردا کا اداس چہرہ دیکھ رہی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا' یہ وہی ہنس مکھ سی ردا ہے' جس کے لبوں سے مسکراہٹ نہیں ہٹتی تھی۔ بجھے لہجے کے ساتھ وہ کوئی نئی ردا لگ رہی تھی' جویریہ دھیرے دھیرے بتانے لگی۔

"ردا کی بیسٹ فرینڈ نومیرا اپنے کزن کو شدت سے چاہتی تھی' اس کا کزن بھی جتاتا تھا۔ وقاص کو امریکہ جا کر پڑھنے کا جنون تھا۔ گھر والوں نے نکاح کروا دیا اور وقاص امریکہ سدھار گیا۔ وقاص کا تعلق مذہبی گھرانے سے تھا مگر امریکہ جا کر سارے پر پرزے نکل آئے۔ وہاں کی چکاچوند نے اسے واپس آنے نہ دیا۔ وہ دو سال کے لیے گیا تھا چار سال لگا کر آیا۔ سب اس کے واپس آنے پر خوش تھے۔ نومیرا کی رخصتی ہو گئی۔ دو ماہ بعد وہ پریگننٹ ہو گئی۔ سب خوش تھے مگر نومیرا بجھی بجھی رہنے لگی۔ سب اس کی اداسی کا سبب پوچھتے رہے اور اس نے شادی کے محض چار ماہ بعد خودکشی کر لی۔"

"کیوں....؟" ریا چیخ پڑی۔

"نومیرا اور اس کے ہونے والے بچے کو ایڈز ہو گیا تھا اور یہ ایڈز وقاص کے ذریعے اس میں منتقل ہو گیا۔ وہ وقاص سے بہت محبت کرتی تھی' اس لیے اسے لعن طعن نہ کر سکی۔ اپنے حقوق کسی اور کو دینے پہ سکی۔ اس نے خاموشی سے خودکشی کر لی۔ وقاص کو یہ سب ڈاکٹرز نے بتایا ہے اور اب وقاص بھی چند مہینوں کا مہمان ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ!" اسے چکر آنے لگے۔ پے در پے سامنے آتے واقعات نے ذہن کو کسی قابل نہ چھوڑا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"ریا! میں نومیرا کی خالی آنکھیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ محبت' اندھا اعتماد کرنے کی کتنی بڑی سزا ملی اسے۔ سارے باہر جانے والے فراڈ اور کرپٹ ہیں۔"

ردا رو پڑی۔ اس کی ذہنی کیفیت خراب ہو رہی تھی۔ جویریہ اسے سنبھالنے لگی۔ وہ ایک لفظ نہ بول پائی۔ قوت مدافعت جیسے دم توڑ گئی تھی۔ گھر آکر اس کے قدم بے ساختہ نوشیرواں غزنوی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ کمرہ جوں کا توں تھا۔ وارڈروب میں موجود اس کے ایک ایک سوٹ کو چھو کر وہ محسوس کر رہی تھی۔ ریک پہ رکھی کتابوں پہ انگلیاں پھیر رہی تھی۔ اس کی نظر سائیڈ پہ رکھے گٹار پہ پڑی۔ اسے اٹھا

کر گرد جھاڑنے لگی تو تاروں نے شور مچانا شروع کر دیا اور جیسے دل بے اختیار ہو گیا۔ کیا محبت کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے؟ وہ شدت سے رو رہی تھی۔ نومیرا کا دکھ اسے رلا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تیری محبت سے رہائی کس طرح پائے کوئی
کس قدر مضبوط ہے حلقہ تیری زنجیر کا

"زندگی فقط پھولوں کی سیج نہیں' کانٹوں کا بچھونا بھی ہے۔" یہ جملہ اسے اس وقت سمجھ آیا جب اس نے شعور کی سیڑھی پہ قدم رکھا۔ وہ اکثر اوپر والے کی بے نیازی پہ شکوہ کناں رہتی۔

"ماں" اس لفظ میں کیسا سحر ہے کہ "ماں" کہتے ہی احساسات سے خوشبو آنے لگتی ہے۔ ابھی اس نے اپنی ماں سے ناز نخرے اٹھوانے تھے کہ اللہ نے انہیں اٹھا لیا۔ وہ کلاس فائیو میں تھی جب اماں آنچل چھڑا کر چل دیں۔ بابا' فرا آپی اور سحرش اک دوجے کا سہارا تھے' بابا کو اماں سے بہت محبت تھی۔ تب ہی تو تین سال بعد وہ انہیں بے رحم زمانے کی سختیاں جھیلنے کو تنہا چھوڑ گئے۔ اس دن اللہ سے بہت شکوہ کیا تھا اس نے۔ ایسے میں خالہ اور خالو رحمت کا فرشتہ بن کر آئے۔ زمانے کی اونچ نیچ سمجھا کر ساتھ چلنے پہ اصرار کیا۔ مگر فرا آپی کی خوددار طبیعت آڑے آگئی۔ خالہ' خالو ان سے غافل نہ تھے۔ برابر خبر گیری کرتے تھے۔ زندگی گزر رہی تھی۔ فرا آپی کی سلائی کڑھائی اور بابا کی پنشن سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ زندگی تو اتنی ظالم ہے کہ بڑے بڑے بہادر مٹی میں مل جاتے ہیں وہ تو پھر لڑکیاں تھیں۔ معمولی کھٹکے یا چھت پہ بلی کے چڑھ جانے سے ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی تھی۔ ایسے میں ڈھیروں شکوے ہوتے اس کے پاس۔ کیا ہوتا جو اوپر والا اک بھائی بھی دے دیتا۔ کم از کم وہ یوں بے سائبان تو نہ ہوتیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر سلائی کرنے سے فرا آپی کی صحت خراب ہو رہی تھی۔ محنت و مشقت کی چکی انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر رہی تھی۔ وہ کسی کی شادی کا جوڑا سیتیں تو ان کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ خالہ کے دور کے رشتے داروں میں فرا کی شادی طے ہو گئی وہ بمشکل راضی ہوئیں۔ فرا کے بعد اسے حقیقتاً تنہائی کا احساس پاگل کرنے لگا تھا۔ وہ تو شروع سے ڈرپوک تھی۔ کم ہمت تھی۔ خالہ نے اسے ساتھ چلنے کو کہا تو بنا پس و پیش کے راضی ہو گئی۔ اک ماہ پلک جھپکتے گزر گیا۔

اس روز سب کھانے کی میز پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب اک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے ہاتھ سے کوٹ کاندھے پہ لٹکائے اک شخص داخل ہوا۔ خالہ' خالو تپاک سے ملے وہ ہونق کی طرح پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سحرش یہ ہمارا بیٹا ہے اطہر عباس زیدی۔ پنسل وینیا سے ڈگری لے کر آج ہی لوٹا ہے۔" خالہ نے اس کی الجھن دور کی۔ اسے بے ساختہ وہ تقریباً کزن یاد آگیا جو ان کے ہاں عید بقر عید پہ بھی نہیں آتا تھا۔

"ہمارا کزن' وہ جو غریب رشتے داروں سے ملنا توہین سمجھتا ہے۔" پل بھر میں اس نے سوچا' وہ [illegible] کھا رہا تھا اور وہ خود کو اس ماحول میں مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ اک ماہ میں وہ خاصی بے تکلف ہو گئی تھی مگر اک پل میں اسے حقیقتاً احساس ہوا کہ وہ اس گھر میں مہمان ہے اور اس گھر کا مالک آگیا ہے۔ خالہ اسے اس سے متعارف کرا رہی تھیں اور وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ بے دلی سے سن رہا تھا۔

اک دن اس سے گلاس ٹوٹ گیا۔ وہ ٹوٹے ٹکڑے چن رہی تھی جب وہ کچن میں آیا۔

"دھیان سے کام کیا کرو۔" اک نظر اسے اور گلاس کو دیکھتے وہ کہہ کر چلا گیا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ صاف جتایا گیا تھا کہ "نقصان کر دیا پھوہڑ لڑکی۔" اگلی صبح گلاس کے "غم" میں اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے ناشتا بنا رہی تھی۔

"سحرش بات سنو!" وہ ہڑبڑا کر پلٹی اور گرم فرائی پین سے انگلی ٹکرا گئی۔

"اٹریس ہے!" جلن نے آنکھوں میں پانی بھر دیا۔
"دکھاؤ۔" اس نے کلائی تھام لی۔ اور انگلی کا معائنہ کرنے لگا۔
"احمق لڑکی!" وہ کچن کی دراز سے برنال نکال کر لگانے لگا۔ اس نے ہاتھ کھینچا۔
"برنال لگا رہا ہوں انگلی کھانے کا ارادہ نہیں ہے میرا۔" جھلا کے سخت لہجے میں بولا۔ وہ مزید سہم گئی۔
"نادان لڑکی! خوش رہا کرو۔" سرزنش کر کے وہ چلا گیا۔ مگر بڑی عجیب بات ہوئی تھی اس کے قدموں کی آہٹ اس کے دل کے آس پاس ہو رہی تھی۔ گھر کی ساری ذمہ داری اس نے سنبھال لی تھی اس کی تھکن کے پیش نظر خالہ نے ملازمہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔
"ملازمہ کی کیا ضرورت ہے مما سحرینہ ہے نا۔" اور کچن میں چائے بناتے اسے اپنی حیثیت کا ادراک ہو گیا۔ وہ جو اسے چاہنے لگی تھی وہ اسے ملازمہ کہہ رہا تھا۔ یتیم و یسیر لڑکی جسے روٹی کپڑا بہت دیا گیا تھا۔ اگر وہ ان کے کام کرتی تھی تو کیا کمال کرتی تھی۔ ایک ملازمہ بھی یہ سب تو کرتی ہی۔
اس دن سب ٹی وی دیکھ رہے تھے جب وہ گم بیٹھی اپنی چوڑیوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ تینوں کیا باتیں کر رہے تھے اسے خبر نہ تھی چونکی اس وقت جب اطمعاش زئی نے اسے پکارا۔
"سحرینہ تم نے کتنا پڑھا ہے؟"
"گریجویشن کیا ہے۔"
"فی زمانہ سمپل گریجویشن کی کچھ اہمیت نہیں۔ آگے پڑھنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"
وہ "تو اہمیت نہیں ہے" سن کر ہی اندر ہی اندر کھول گئی تھی۔ سوال پر برا سا منہ بنا کر بولی۔
"نہیں۔" اطمعاش زئی نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔
"یوں فارغ رہنے کا کیا فائدہ ہے قابل قدر جاب تو نہیں ملنے سے رہی تم کسی اسکول میں اپلائی کر دیکھو۔" اس کے کان کی لویں گرم ہو گئیں۔
"انہیں میرا مفت کی روٹی توڑنا برا لگ رہا ہے۔"
یکایک دل میں دھواں سا اٹھنے لگا تھا۔ پھر [illegible] ہی اسکول جوائن کر لیا۔
اس کے دل میں دن بہ دن یہ خیال جڑ پکڑ رہا تھا اطمعاش زئی کو اس کا وجود کھلتا ہے وہ اسے بوجھ سمجھتا ہے۔ مگر ہزار بدگمانیوں کے باوجود دل میں براجمان تھا۔ اس کا انداز حوصلہ شکن ہوتا وہ اس سے سر اٹھا کر اور نظر ملا کر بات نہیں کرتی مگر پھر بھی اسے چاہتی تھی۔ محبت مایوس نہیں ہوتی۔ محبت دل کے نہاں خانوں میں چھپائے وہ ہر دن محبت کی لذت سے لطف اندوز ہوتی تھی۔ زندگی یونہی دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ مگر رامش نے پرسکون جھیل میں بڑا سا پتھر دے مارا۔

✲ ✲ ✲

جب رات کی ناگن ڈستی ہے
نس نس میں زہر اترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اس دل کو چیر کے آتی ہیں
جب آنکھ کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہیں
سب جذبے پر چھا جاتے ہو
تب یاد بہت تم آتے ہو

نظم کے ساتھ نومیر والا واقعہ اس نے نوشیرواں غزنوی کو ای میل کیا اور فوراً ہی جواب موصول ہوا۔
"دیا! کیا تم مجھے وقاص کے ساتھ کمپیئر کر رہی ہو؟" اس شخص کو اسے جاننے کا کتنا صحیح دعویٰ تھا پل بھر میں اس کی اداسی کی وجہ جان گیا تھا۔
"کیا مجھے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ میں صرف تمہارا ہوں؟ نہیں دیا میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا۔ ہمارے بیچ جو خوبصورت رشتہ ہے اس کی بنیاد اعتماد ہونا چاہیے۔ تمہیں نہیں خبر مگر تمہاری یہ بے اعتباری مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہی ہے۔ نوشیرواں غزنوی، جسے تم بائیس برسوں سے جانتی ہو اب اس پر اعتماد نہیں رہا۔"

لہجہ دلگرفتہ تھا۔ اس نے جواباً ای میل کیا۔
"بس تم لوٹ آؤ۔"
"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ جہاں اتنا انتظار کیا وہاں تھوڑا اور کر لو۔" اس نے تھک کر سیل پٹخ دیا۔
اس نے پینٹنگ کلاس سے بھی چھٹی لے رکھی تھی۔ عجیب وحشت و بے قراری مقدر میں درج ہو گئی تھی۔ کمرے میں جا بجا نوشیرواں غزنوی کے عکس کو دیکھتے وہ گویا تھی۔
"میرے اعتبار کا مان رکھنا نوشیرواں غزنوی، ورنہ میں وہ کر گزروں گی جس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔"

✲ ✲ ✲

درد بانٹ لینے کی جس سے تھی امید مجھے
میرا دل دکھانے پہ بس وہی مامور ہے

رامش کی ممی نے اس کا رشتہ مانگا تھا۔ خالہ، خالو نے سوچنے کا وقت لیا۔ جب کہ اطمعاش زئی رامش مرتضیٰ کا ہم نوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے اصرار پہ خالہ، خالو بھی نیم رضامند نظر آ رہے تھے۔ تب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ کس سے کہے کہ وہ رامش کو ہم سفر نہیں بنانا چاہتی۔ کوئی بھی تو نہیں تھا اپنا۔ خالہ نے اس کی رائے پوچھی تھی۔ وہ بے شرموں کی طرح ان کے بیٹے کا نام نہیں لے سکتی تھی۔ وہ رو پڑی۔ خالہ بھی چپ ہو گئیں۔ رات کا پہر تھا۔ ہر سو گہری خاموشی تھی۔ خالہ، خالو کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے اپنے اور اطمعاش کے کمرے کے بیچوں بیچ دروازے کو دیکھا۔ ہمت ایک بار پھر مجتمع کی۔ کئی دنوں سے جاری کشاکش سے نجات حاصل کرنے کو ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود اس سے بات کرتی۔ گھر میں سب ہی ایک دوسرے سے ناراض دکھائی دے رہے تھے اور یہ رامش کے پرپوزل آنے کے بعد سے ہوا تھا۔
جھجکتے ہوئے اس نے دروازے پہ دستک دی۔ اس دروازے کو استعمال کرنے کی نوبت پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ تب ہی اسے انتظار کرنا پڑا۔ پتا نہیں وہ سو گیا تھا یا دستک کا تعین کر رہا تھا۔ چند ثانیے بعد دروازہ کھل گیا۔
"اینی پرابلم؟" ناگواری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔
"مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" حوصلہ شکن انداز کمزور کر رہا تھا۔
"اندر آ جاؤ۔" اس نے دروازے سے ہٹ کر اندر آنے کا موقع دیا۔ سسٹم آن تھا غالباً وہ کام کر رہا تھا۔
"کہو!"
وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ یہاں تک آ گئی مگر ترتیب دیے الفاظ بھول گئی تھی۔ اس کی بھوری آنکھوں نے اس کا سارا اعتماد متزلزل کر دیا تھا۔ انگلیاں مروڑتی۔ لب کچلتی وہ الجھن کا شکار نظر آئی۔
"کیا بات ہے؟" گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔
"میں رامش سے شادی نہیں کر سکتی۔" وہ بے حد مشکل سے گویا ہوئی۔
"لڑکیاں اچھے رشتوں کا انتظار کرتی ہیں اور تمہارے تیور ہی نہیں مل رہے۔ کیا برائی ہے رامش میں؟" وہ تنک کے بولا۔
"شادی تو تمہیں کسی نہ کسی سے کرنی ہی ہے۔ پھر رامش کیوں نہیں۔" اب کے قدرے نرم لہجے میں دریافت ہوا۔
"میں یہ شادی نہیں کر سکتی۔" اسے اس موضوع پر اس سے بات کرتے ہوئے شرم بھی محسوس ہو رہی تھی۔
"میرا سوال اب بھی وہی ہے کہ کیوں؟" وہ اسے گھور رہا تھا۔
"میں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔" اس کے منہ سے نکل گیا۔ اس کا انداز غصہ دلانے والا تھا۔ وہ کب تک ضبط کرتی۔
"تم رامش سے اس لیے شادی نہیں کر سکتیں کیونکہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ ہے نا؟" وہ سناٹے میں رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ قیامت نہیں آئی تھی مگر

اسے درودیوار گھومتے محسوس ہو رہے تھے۔

"جواب دو!"

اس نے تو کبھی بے خودی میں بھی اس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ اسے بے خبر سمجھتی رہی اور وہ "باخبر" نکلا۔

"مس سحرینہ! میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے۔" بے خبر سرد لہجہ تھا۔ نظریں وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔ اسے لگا اگر یہ لمحہ بیت گیا تو وہ کبھی اس سے نظریں ملا کر بات نہ کر سکے گی۔ مجروح انا اسے تا عمر کرب میں مبتلا رکھے گی۔ لمحوں میں اس نے منتشر حواسوں کو قابو کیا تھا۔ اس کی کالی آنکھیں اس کی بھوری آنکھوں میں گڑی تھیں۔

"خوش گمانی اچھی چیز ہے۔ مگر اس قدر نہیں 'مانا آپ خوش لباس' خوش شکل ہیں۔ غرور کا پورا حق حاصل ہے آپ کو۔ آپ بہت سوں کے منظور نظر ہوں گے۔ مگر میرے نہیں ہیں۔ رامش سے شادی سے انکاری صرف اس لیے ہوں کہ ابھی میرا شادی کا کوئی موڈ نہیں ہے اور آپ... جانے کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔" اس کی نگاہوں میں استہزا کا رنگ گہرا تھا۔ اطمعاش زئی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"آپ تک آنے کی وجہ صرف اس رشتے سے انکار تھا مگر آپ نہ جانے کیا کیا سوچے بیٹھے ہیں۔ جو میرے لیے خاصا حیران کن ہے۔ خیر یہ آپ کا مسئلہ ہے اوکے۔" وہ پلٹ گئی۔ نگاہوں کے نشتر، لفظوں کے کوڑے بے داغ کر رہی تھیں اگر رک جاتی تو شاید اپنا بھرم بھی گنوا دیتی۔ بند دروازے سے پشت لگا کر وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اپنی بے قدری پہ، اپنی حرماں نصیبی پہ۔ جس شخص کو وہ آتی جاتی سانسوں کے ساتھ چاہتی رہی تھی، وہی اس کی ذات کے پرخچے اڑانے کو تیار تھا۔ اس کی آنکھوں نے اطمعاش زئی کے خواب دیکھے تھے اور وہی شخص اسے کسی اور کے سپرد کرنے کا خواہاں تھا۔

"اطمعاش زئی! تمہیں شوق چرایا ہے نا دوست سے رشتے داری کا۔ رشتہ 'درد کا رشتہ' کیسے بنتا ہے۔ یہ تمہیں اب میں بتاؤں گی۔"

آنکھیں رگڑتے ہوئے اس کی ذہنی کیفیت اچھی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کی غیر موجودگی میں سارے موسم گزر گئے تھے۔ اک اس کے نہ ہونے سے موسم کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ گھروں کے موسم پہ انتظار آ کر ٹھہر گیا تھا۔ خوف و دھڑکے نے قدم جما لیے تھے۔ وہ ہر بار اس سے لوٹ آنے پہ اصرار کرتی اور وہ ہر بار سمجھاتا بلکہ اب نوشیرواں غزنوی کو اس پہ غصہ آنے لگا تھا۔ نوشیرواں کی کلاس فیلو کی کزن پاکستان آئی تھی جس کے ہاتھوں اس نے سب کے لیے **گفٹس** بھجوائے تھے۔ دیا کو **گفٹس** سے زیادہ پنک لفافے سے دلچسپی تھی۔ جس پہ دیا کا نام درج تھا۔ نوشیرواں نے یہ لفافہ بطور خاص اس کے لیے بھیجا تھا۔ اس نے لفافہ اٹھا لیا اور اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔ لفافے سے ڈھیر ساری تصویریں برآمد ہوئیں پچھلے دنوں اس نے فرمائش کی تھی۔

"نوشیرواں! اپنی تازہ ترین تصویر بھیجو میں دیکھنا چاہتی ہوں تم میں کچھ تبدیلی آئی یا تم اب بھی..."

"ویسے ہی ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"چند ماہ اور صبر کر لو پھر تو روز دیکھو گی۔" مگر وہ مصر تھی تو اس نے بھیجنے کی ہامی بھر لی۔

کاہی کلر کی شرٹ اور بلیک جینز میں دونوں بازو پھیلائے وہ ہنستا مسکراتا کھڑا تھا۔

اگلی تصویر میں نیوی بلیو سوٹ میں وہ بے حد پیارا لگ رہا تھا۔ اگلی تصویر میں نوشیرواں کسی لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"دوست ہو سکتی ہے۔" لڑکی کی خوبصورتی سے خائف ہوتے دل کے شور کو دبا کر اس نے خود کو تسلی دی۔ اک تصویر میں وہ نوشیرواں کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔ اک اور تصویر میں وہ دونوں بازو نوشیرواں کی گردن میں حمائل کیے ہوئی تھی اور نوشیرواں اس کے چہرے پہ جھکا ہوا تھا۔ اک اور تصویر میں نوشیرواں اس کے زانو پہ سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ اس نے جھٹکے سے ساری تصویریں پھینک دیں۔ اندر اک آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ اس کی بے وفائی پہ چیخ چیخ کے رونا چاہ رہی تھی مگر آنسو جم گئے تھے۔ نوشیرواں غزنوی کا امیج اس بری طرح ٹوٹا تھا کہ وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"بہت فنکار ہو تم۔ ہر کام ڈنکے کی چوٹ پہ کرنے کے عادی ہو اس لیے سب چھپانے کی بجائے تم نے خود ساری چیزیں مجھے بھیج دیں۔" وہ پاگلوں کی طرح اسے ای میل، فون ہر جگہ تلاش کر رہی تھی۔ مگر اس کا کہیں پتا نہیں چل رہا تھا۔ روز اپنی خیریت سے آگاہ کرنے والا جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

تنجیر کی شادی اس کے کزن سے ہو گئی اور وہ یوگنڈا چلی گئی۔ اس کے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ اسے موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ خود پہ بیت جانے والا سانحہ اس کے گوش گزار کرتی۔ اسے اطمعاش زئی سے چڑ ہو گئی تھی۔ "عموماً" وہ اس کا سامنا کرنے سے گریز کرتی۔ کھانا ساتھ کھانا معمول تھا۔ میز پہ بیٹھتی تو اس کی طرف دیکھنے سے پرہیز کرتی۔ رامش کے گھر والے آئے بیٹھے تھے۔ خالہ اس کی رائے پوچھ رہی تھیں۔

"اس دل کا در کھٹکھٹانا بے وقوفی ہے جہاں محبت بھرے جذبات نہ ہوں۔"

اطمعاش زئی کو بھی اس سے محبت نہیں تھی تب ہی تو وہ بڑی فراخدلی سے اسے رامش کو سونپ رہا تھا۔ اس نے جانتے بوجھتے آگ سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اس نے رامش کے لیے ہاں کہہ دی۔

خالہ کتنی دیر اس کا سر سینے سے لگائے روتی رہی تھیں۔ گھر کے لان میں چھوٹی سی تقریب میں منگنی کی رسم پوری کی گئی تھی۔ رامش خوب چہک رہا تھا۔ جب کہ گلابی لہنگے، میچنگ جیولری اور لائٹ پنک میک اپ میں اس کا سوگوار حسن ہر نگاہ کو ٹھٹکنے پہ مجبور کر رہا تھا۔

رامش نے اس کی انگلی میں رنگ پہنا کر رسم مکمل کر دی۔

اجاڑ دے میرے دل کی دنیا سکون کو میرے تباہ کر دے
مگر میری التجا ہے تجھ سے ادھر بھی اپنی نگاہ کر دے
تمہیں خبر ہو کہ نہ ہو شاید تمہاری آنکھوں میں وہ اثر ہے
جو تیغ و خنجر نہ کر سکیں گے وہ کام تیری نگاہ کر دے

کس قدر پیاری لگ رہی تھی وہ۔ اس کی نظروں میں شام کا منظر لہرا گیا۔ کتنا سوز تھا چہرے پہ۔ حزن و ملال کے رنگوں نے ہر گھڑی اطمعاش زئی کو زیادتی کا احساس دلایا تھا۔ اس نے دل پہ جبر کر کے فیصلہ کیا تھا مگر اب دل بغاوت پہ اتر آیا تھا۔ سحرینہ کے پہلو میں بیٹھے رامش سے اسے جلن ہو رہی تھی۔ اور اسی لمحے اس پہ عیاں ہوا تھا کہ وہ کس قدر شدید محبت کرتا ہے سحرینہ سے۔

یکدم کمرے میں گھٹن ہونے لگی۔ تازہ ہوا میں سانس لینے کے خیال سے اس نے چھت کا رخ کیا۔ آخری سیڑھی پہ اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ کہنی ٹکائے ہتھیلی میں چہرہ بھرے وہ گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ نظروں کی تپش پہ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ اس نے اس کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اطمعاش کو وہ پریشان، بجھی روح لگی۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

مزید کچھ کہنے کے بغیر وہ جا چکی تھی۔ اطمعاش زئی کی پیشانی پہ شکنوں کا جال بچھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہم تو ہیں پردیس میں دیس میں نکلا ہو گا چاند
اپنی رات کی چھت پہ کتنا تنہا ہو گا چاند

"ہیلو کامریڈ! کس کے لیے گنگنا رہے ہو؟" وہ واش روم سے گیلے بال رگڑتا برآمد ہوا تو عاصم نے بے ساختہ استفسار کیا۔

"صرف اک ہی کے لیے گنگنا سکتا ہوں۔ کسی اور کے لیے گنگنانے کی کوشش بھی کی تو وہ مجھے قتل کر دے گی۔" نوشیرواں نے شرارت سے کہا۔ عاصم کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"ڈرتے ہو؟"
"نہیں پیار کرتا ہوں۔" بے حد تحمل اور مربوط انداز تھا۔ آج کتنے دنوں بعد دونوں پرسکون انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ورنہ مہینوں سے جاری عذاب نے ان کے لبوں سے مسکراہٹ بھی چھین لی تھی۔
"نوشیرواں! تھینکس یار، اس مشکل گھڑی میں تم نے میرا جس طرح ساتھ دیا میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔"
عاصم از حد ممنون تھا۔ نائن الیون کے بعد امریکہ میں مسلم اسٹوڈنٹس کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا عاصم ان میں سے ایک تھا۔
"ڈونٹ بی فارمل یار" بال بناتے وہ اسی قدر کہہ سکا۔ پھر اپنا لیپ ٹاپ آن کرنے لگا۔ پچھلے دنوں عاصم پہ کچھ الزامات لگے تھے۔ جس میں نوشیرواں نے اس کی بھرپور مدد کی تھی۔ اعصاب پرسکون ہوئے تو اسے سب سے پہلے اسی کا خیال آیا۔ "بھابھی سے کانٹیکٹ کر رہے ہو؟"
بیڈ پہ دراز ہوتے عاصم نے استفسار کیا۔ گلوخلاصی کے بعد عاصم پرسکون تھا۔
"ہوں، مہینہ ہو چلا ہے اس سے رابطہ کیے، سیل بھی کھو گیا تھا ٹینشن میں وہ بے حد پریشان ہوگی۔"
"سوری یار میرے باعث۔" عاصم ایک بار پھر نادم ہو گیا۔
"دوستوں کو تھینکس اور سوری بولنا میری ڈکشنری میں نہیں، تم سے ہزار بار یہ بات کہی ہے۔"
"او کے اچھا یہ بتاؤ بہت محبت کرتی ہیں بھابھی تم سے؟" عاصم نے موضوع گفتگو بدل دیا۔
"بڑی جذباتی اور شدت پسند ہے۔ ہر کام نفع نقصان سے بالاتر ہو کر کرتی ہے۔ یہ شعر اس پر صادق آتا ہے۔

محبت ہو تو بے حد ہو، نفرت ہو تو بے پایاں
کوئی بھی کام کم کرنا مجھے ہرگز نہیں آتا

پہلا موقع تھا جب وہ عاصم سے دیا کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ وہ اسی سیل باکس کھول رہا تھا۔ دوستوں کے کتنے ہی ای میل پڑے تھے۔ دفعتاً "اس" مسکرا دیئے دیا کے ای میل نے پل بھر میں ان دنوں کی کثافت کا ازالہ کر دیا۔ اس کی نظریں اسکرین پر بھاگ رہی تھیں۔ دفعتاً مسکراتے لب سمٹنے لگے، آنکھوں کی رنگت بدلنے لگی۔ کسی انہونی کے احساس سے دل دھڑک اٹھا۔ اس تحریر کو اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے ایک بار پھر پڑھا کہ شاید اس کی نظریں حروفوں کو پہچاننے میں غلطی کر رہی ہیں۔ شاید دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے مگر بولا لفظوں کی مختصر تحریر وہی تھی جس نے دل پہ بجلیاں گرادی تھیں۔ نگاہوں میں جلن بھر دی تھی۔ مٹھیاں بھینچ کر اس نے اشتعال سے ایک بار پھر اسکرین کو دیکھا۔ جہاں جلی حروف میں درج تھا۔
"نوشیرواں غزنوی! میں دیا شیراز بقائمی ہوش و حواس تم سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہوں۔ مجھے طلاق دو۔"

☆ ☆

تھکی تھکی سی آس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
کوئی تو درد راس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
نڈھال یوں ہوئے کہ سب نصیب ہی مر گئے
نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
عجیب طرح کے وسوسوں میں گھر گئی ہے
امید ہے نہ آس ہے، یہ دل بہت اداس ہے

دن بڑے بے کیف اور بوجھل ہو گئے تھے۔ ان میں خود ترسی کا احساس اپنے جوبن پر ہوتا تھا۔ اسے لگتا تھا اس بھری دنیا میں اس کا کوئی نہیں ہے۔ ماں جیسی انمول ہستی قدرت نے چھین لی تھی۔ رہ گئی بہن تو وہ سسرال کے باعث مجبور تھی۔ نہ وہ روز اسلام آباد جا سکتی تھی نہ وہ ملنے آ سکتی تھی۔ نہ وہ چاہتی تھی کہ وہ اسے شریک غم کرے۔ کر سکتی تھی خالہ ہی تھیں مگر وہ خالہ کے سامنے اطمعاش زئی کی برائی نہیں کر سکتی تھی نہیں بتا سکتی تھی کہ "آپ کے بیٹے نے چاہنے کی بہت کڑی

ہے۔ میں نے چاہت کے پھول نہیں مانگے تھے، پھر نخلستان کیوں میرے نام کر دیا؟ میں نے کوئی ناقابل تلافی جرم تو نہیں کیا۔ پھر وہ شخص مجھے کیوں عمر قید کی سزا دے رہا ہے۔ فقط اس لیے کہ میں اسے بوجھ لگتی ہوں، اسے اپنے گھر میں میرا وجود برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ کیا کمی ہے مجھ میں جو وہ میری طرف نہیں دیکھتا؟ کیوں اپنے دوست سے تہی کر رہا ہے؟"
یہ ایسے سوالات تھے جن کے جوابات کسی کے پاس نہیں تھے۔ اندر کے شور سے تنگ آ کر وہ واک پہ نکل آئی۔ وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ اسے اردگرد کا ہوش نہ تھا بلیک پجیرو کب اس کے سامنے رکی، کب اس میں سے رامش نکل کر اس تک آیا اسے کچھ محسوس نہ ہوا۔
"میں نے کہا منگیتر صاحبہ رکیے۔" اب کے وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو اس کے قدم میکانکی انداز میں تھم گئے۔
"کب سے آوازیں دے رہا ہوں مگر تم ہو کہ.... خیر آج میں کچھ اور بھی مانگ لیتا تو وہ بھی مل جاتا۔" وہ پرشوق نظروں سے اس کے سراپے کو دیکھتے گویا تھا اس کا حلق کڑوا ہونے لگا۔
"کہاں جانا ہے آؤ میں ڈراپ کر دوں۔" رامش اس کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ اس کی جسارت پہ وہ کوئی سخت جملہ کہنے والی تھی جب سلور کرے گاڑی ان کے قریب رکی اس میں سے اطمعاش زئی برآمد ہوا۔
"رامش تم یہاں؟" سحرینہ نے واضح طور پہ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتے محسوس کیا۔ اس کی نظریں رامش کے ہاتھ پہ تھیں جس میں سحرینہ کی کلائی تھی۔
"گھر آ رہا تھا، منگیتر صاحبہ سڑکوں پہ سرگشت کرتی مل گئیں تو انہیں کا ہو کر رہ گیا۔ صحیح کہتے ہیں لوگ سچے دل کی مراد بر آتی ہے میں ابھی سحرینہ سے ملنے آ رہا تھا۔"
اطمعاش زئی نے بے ساختہ پہلو بدلا۔ جانے کیوں سحرینہ کو وہ سخت بے چین لگا۔ شاید اس لیے کہ رامش نے ابھی تک اس کی کلائی تھام رکھی تھی۔
"گھر چلو۔" اس نے بادل نخواستہ کہا۔
"میں سحرینہ کو لینے آیا تھا، ساتھ ڈنر کا ارادہ تھا۔ یہیں مل گئی تو اب گھر جا کر کیا کروں گا۔ اجازت ہو تو میں سحرینہ کو لے جاؤں؟" رامش استفسار کر رہا تھا۔ اطمعاش زئی کے چہرے پہ ناگواری چھائی۔ رامش کا استحقاق سے بولنا اور خواہش کا اظہار دونوں برا لگا تھا۔
"ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے میں تیار ہوں چلیں۔" اطمعاش سے پہلے سحرینہ بول پڑی۔ اطمعاش زئی اسے آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا جب رمیش اس سے مصافحہ کر کے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے پہلے اس نے سحرینہ کے لیے فرنٹ ڈور کھولا تھا۔
"خالہ سے کہہ دیجیے گا واپسی میں دیر ہو جائے تو فکر نہ کریں۔ رامش مجھے ڈراپ کر دیں گے۔ آخر کو منگیتر ہیں میرے۔" اس کی طرف مڑ کر اس نے طنزیہ لہجے میں اطمعاش زئی کے گوش گزار کیا اور فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ اطمعاش زئی کسی بت کی طرح سڑک پہ ایستادہ تھا۔ سحرینہ کا عمل اسے ٹھٹکا گیا تھا۔

☆ ☆

بدلے ہیں وہ تو اس کا گلہ کس سے کیجیے
پہلے سے خوش مزاج تو ہم بھی نہیں رہے

نوشیرواں غزنوی نے فوراً اسے فون کیا تھا۔
"ہیلو بھائی! کیسے ہو؟" کال جیا نے ریسیو کی تھی۔
"دیا سے بات کراؤ۔" نوشیرواں کے عجیب انداز پہ غور کرتی وہ دیا کے کمرے میں چلی آئی وہ کینوس پہ رنگ اور برش سے کھیل رہی تھی۔
"دیا! بھائی کی کال ہے۔" جیا نے آواز دی مگر اس نے شاید سنا نہیں تب وہ اس کے سر پہ آ کر چیخی۔
"دیا! نوشیرواں بھائی کی کال ہے۔"
"کہہ دو میں بات کرنا نہیں چاہتی۔"
"واٹ؟" جیا حیران ہوئی۔ اس کا تو خیال تھا نوشیرواں کی کال کا سنتے ہی وہ وحشی کی طرح دوڑ لگا دے

کی۔ وہیں کار سکون انداز سے بے سکون کرنے لگا۔
"تم نے سنا میں نے کیا کہا ہے۔" وہ اک بار پھر بولی۔
"میں بہری نہیں ہوں۔ دیا کر اپنے بھائی سے کہہ دو میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" سرد لہجے میں لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔
"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شاید۔" جیا کو غصہ آ گیا۔ وہ ہونقہ تھا سو فون تک آئی۔
"بھائی! وہ دیا گھر میں نہیں ہے۔" اسے حقیقتاً دونوں کا انداز سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
"اسے کہو کہ بھاگنے کی بجائے سامنا کرنا سیکھے۔ اور مزید کہنا کہ اس نے جس چیز کی فرمائش کی ہے میں مر کر بھی پوری نہیں کروں گا۔"
جیا حیرت کی تصویر بن گئی۔ دیا کے عجیب انداز اور نوشیرواں کے مبہم جملوں نے اسے چکرا کے رکھ دیا تھا۔
دوسری طرف نوشیرواں غزنوی سخت عذاب میں تھا۔ اک ہفتے بعد اس کے فائنل ایگزام تھے ورنہ جا کر اس کا دماغ تو ضرور ٹھکانے لگا دیتا۔ لیکن اب سب چھوڑ کر جاتا تو دو سال کی محنت مٹی میں مل جاتی۔ آخری پیپر کے اگلے روز اس نے سیٹ کنفرم کروالی۔
"اتنی جلدی؟ تمہارا ارادہ تو ورلڈ ٹور کا تھا۔" عاصم اس کی جلد بازی پہ حیران تھا۔ پروگرام کے مطابق ورلڈ ٹور کے بعد دونوں کا پاکستان ساتھ جانے کا ارادہ تھا مگر وہ اکیلا ہی جا رہا تھا۔
"ایم سوری یار! پھر کبھی۔"
"تم میرے بہت اچھے دوست اور روم میٹ ثابت ہوئے اپنی شادی میں بلانا مت بھولنا مجھے بھابھی سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔"
اس کے ذکر سے پہلی بار اسے اپنے اعصاب تناؤ کا شکار محسوس ہوئے۔

☼ ☼ ☼

پھر اکثر ہی رامش گھر آنے لگا اور روز ہی سحرینہ اس کے ساتھ کہیں گھومنے نکل جاتی۔ خالہ نے دبے لفظوں میں سمجھانا چاہا تھا مگر رامش نے انہیں ماڈرن دور کہہ کر خاموش کروا دیا۔ یہ سب اطمعاش زئی کو برا لگتا تھا۔ بات تو پہلے بھی برائے نام ہوتی تھی تو وہ اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔
بلیک جینز، بلیک جیکٹ میں فریش موڈ کے ساتھ وہ گنگناتے ہوئے سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔
انداز بتا رہا تھا کہیں جانے کی تیاری ہے۔ مگر وہ سیڑھی پہ کھڑا رہ گیا۔ حیرت نے اسے جیسے پتھر کا کر دیا تھا۔ سمٹی سمٹائی سحرینہ خان اک الگ ہی روپ میں اس کے سامنے تھی۔ بلیک اسٹائلش ٹراؤزر سوٹ میں وہ بے حد ماڈرن لگ رہی تھی۔ گندم رنگ پر جچ [illegible] وہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ سحرینہ خان کے موجودہ حلیے کو قبول کرنا اسے دشوار لگ رہا تھا۔ کہاں برانڈڈ سوٹ میں لاپروا رہنے والی سحرینہ خان اور کہاں نوک پلک سنوارے سحرینہ خان، جس نے جان لیا تھا کہ ترقی پُرکشش ہے۔ قدرے لمبے بال کٹ گئے تھے اور اب ہنی کلرڈ لیئر شولڈرز پہ لہرا رہے تھے۔ اطمعاش زئی اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی دوسری لڑکی ہو۔ سحرینہ خان کو اس کے پاس سے گزر کر اوپر جانا تھا۔ وہ انجان بن کر گزرنے لگی۔
"رات کے گیارہ بجے کہاں سے آمد ہو رہی ہے؟"
اس کی لاتعلقی سلگا گئی۔ اس نے یوں چونک کر دیکھا جیسے کوئی ناخوشگوار بات ہو گئی ہو۔ "رامش کے ساتھ گئی تھیں؟" جواب نہ پا کر سرد لہجے میں دوبارہ استفسار کیا۔
"اپنے منگیتر کے ساتھ گئی تھی۔" آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گویا ہوئی۔ لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اس کی جان جل گئی۔ سحرینہ کا انداز اسے کسی طور ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا حشر کر دے اس کا۔
"کس سے پوچھ کر گئی تھیں؟"
"میں یتیم ہوں، میرا اپنا کوئی نہیں تو کس سے پوچھ کر جاتی۔ خالہ کو بتا کر گئی تھی۔" اس کی لاپروائی قابل

دید تھی۔ وہ اس کا ضبط جواب دینے لگا۔
"تم رامش سے باہر ملنے سے پرہیز کرو۔" انداز تنبیہی تھا۔
"خاصے کنزرویٹو مائنڈ ہیں آپ۔ وہ میرا منگیتر ہے میں اس سے کہیں بھی ملوں آپ کو کیا پرابلم ہے۔ یہ زندگی میری ہے، برائے مہربانی آپ آئندہ میرے معاملوں میں انٹرفیئر کرنے سے گریز کریں، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ ہر کوئی میرے پرسنل افیئرز پہ رائے دے۔"
بے حد کڑوے لہجے میں گویا تھی۔ اس کا سرد لہجہ اطمعاش زئی کو اندر تک فریز کر گیا۔ کل کی ڈری سہمی ڈرپوک سی سحرینہ خان جو اس سے نظریں نہیں ملاتی تھی، آج آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔ اطمعاش زئی کی آنکھوں میں گہری الجھن اور چہرے پہ سوچ کی پرچھائیاں اس کے اضطراب کو ظاہر کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

نوشیرواں کی سرپرائزنگ آمد پہ سب ہی خوش تھے۔ علاوہ دیا کے وہ اس دھوکے باز، فریبی، عیاش شخص کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ دو دن ہو گئے تھے اسے آئے مگر اس نے اس کا سامنا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کھانا تک کھانے کمرے سے نہیں نکلتی تھی۔ گھر میں ملنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔
"جب سے آیا ہوں دیا نظر نہیں آئی۔" سوال پہ ماما نے شرمسار لہجے میں کہا۔
"یہ لڑکی آج تک میری سمجھ نہیں آئی۔ ہر کل جدا ہے اس کی۔ پہلے تو لوگوں کے بیچ بیٹھ جاتی تھی آج کل تو کمرہ نشین ہوئی ہے۔" اس کے لب بھینچ گئے تھے۔
گھر کے تمام افراد ان کے درمیان موجود سرد جنگ کو بھانپ گئے تھے۔ مگر کسی نے کریدا نہیں تھا۔ وہ انتظار میں تھے کہ وہ دونوں خود ہی ٹینشن کی وجہ بتائیں۔
چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ گھر میں چھائی خاموشی اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ سب آرام کی غرض سے کمرے میں جا چکے ہیں۔ کچن میں جا کر وہ چولہے سے چائے بنا کر گرما گرم لائی۔ ٹرے میز پہ رکھ کر دروازہ بند کرنے مڑی ہی تھی جب کسی نے جھٹکے سے دروازہ دھکیلا۔
وہ جس پوزیشن میں تھی اسی میں رہ گئی۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے وہ اس کے سر پہ کھڑا تھا۔ بازو سے کھینچ کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا۔
"کیا خرافات لکھی تھیں تم نے؟" اس کی غصیلی نگاہوں سے اک پل کو خوف بھی محسوس ہوا مگر اگلے پل خود اعتمادی سے بولی۔
"اردو زبان لکھی تھی، یہ تمہاری نظر میں خرافات کیسے ہو گئیں۔"
"میں زبان کی نہیں مفہوم کی بات کر رہا ہوں۔" اس کی نظریں دیا شیراز کے چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔ کتنے مہینوں بعد وہ اس کے قریب تھی مگر کس قدر دور لگ رہی تھی۔
"تمہاری اردو تو بڑی اچھی ہے مفہوم تو سمجھ ہی گئے ہو گے تم۔" جھٹکے سے بازو چھڑایا۔
"کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟ مجھے دو دن ہو گئے آئے مگر تم نے شکل نہیں دکھائی۔" شکوہ مچل گیا۔ وہ اس کی حرکت کو نادانی جان کر درگزر کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس سے شدید محبت کرتا تھا۔
"میں ہر ایرے غیرے کو شکل نہیں دکھاتی۔" وہ بدتمیزی سے گویا تھی۔ اس کا انداز دیکھ کر نوشیرواں کو افسوس ہو رہا تھا اتنے دنوں کی دوری میں اس نے ہر پل یہی سوچا تھا کہ جب وہ ملیں گے تو منظر دیکھنے والا ہو گا مگر جو بیت رہا تھا وہ توقع سے باہر تھا۔
"میں تمہارا شرعی محرم ہوں۔" اسے یاد دلایا۔
"تھے بھی ہو جاؤ گے۔" اس کے پیار بھرے انداز کا اس پہ مطلق اثر نہ تھا۔
"کیا کسی اور پہ دل آ گیا ہے؟" جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ ایسی بات کر کے اسے خود تکلیف

بولی۔

"اپنی ذات داغ دار ہو تو دوسرے کی بھی داغ دار دکھتی ہے۔ چھوڑو مجھے۔ گھن آرہی ہے مجھے تمہارے وجود سے۔"

اس کا ہاتھ سرعت سے اس کے بازو سے ہٹ گیا۔ اس کے لہجے نے پستی میں دھکیل دیا۔ اسے اپنا وجود تعفن زدہ لگا۔

"کیا برائی دیکھی تم نے مجھ میں۔"

لہجہ زخمی تھا۔ دیا کے لفظوں نے کند چھری کا روپ دھار کر اسے زخمی کر دیا تھا۔ محبت کرنے والا شخص سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر کردار پہ وار کبھی نہیں، اسے اپنی ذات کا مان غرور جاتا لگا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے۔ نوشیرواں غزنوی، نکل جاؤ میرے کمرے سے۔ تم مجھے طلاق دے رہے ہو یا میں خلع کا کیس دائر کروں۔"

کوئی لحاظ، کوئی مروت لہجے میں نہیں تھی۔ وہ جس دیا کو دو ٹوک کہہ کر گیا تھا یہ تو وہ تھی ہی نہیں۔

"تم جب تک مجھے اس فیصلے کی وجہ نہیں بتاؤ گی میں تمہاری خواہش پوری نہیں کروں گا۔"

اپنی بات کہہ کر وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"ڈھٹائی کی انتہا ہے۔"

سلگتے ہوئے وہ کڑوی چائے حلق میں انڈیل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ مہرباں ہے تو اقرار کیوں نہیں کرتا
وہ بدگماں ہے تو سو بار آزمائے مجھے

سحرینہ خان کی موجودہ روش نے اطمعاش زئی کو فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے اس کا بھلا چاہا تھا مگر وہ خود اپنی دشمن بن بیٹھی تھی۔ رامش سے اس کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی، وہ اسٹیٹس، ایجوکیشن، شکل و صورت ہر لحاظ سے سحرینہ خان کو سوٹ کرتا تھا۔ سو جب رامش نے سحرینہ کے لیے پرپوزل بھیجا تو اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ وہ سحرینہ خان سے محبت کرتا تھا اور محبت تو وہی ہے جس میں محبوب کی خوشیوں کا گلستان کھلا رہے۔ اپنی خوشیوں سے نظر ہٹا کر اس نے وہی کیا جس میں سحرینہ خان کی بھلائی تھی۔ سحرینہ خان نے اس فیصلے سے بیر باندھ لیا تھا۔ اب یہ اس پہ کھل رہا تھا کہ اس نے جس کی خوشی کا سامان کرنے کو دل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں وہ ناخوش ہے۔ بغاوت کر بیٹھی ہے۔

وہ کچن میں تھی تب ہی اطمعاش زئی کچن میں داخل ہوا۔

"تم آج کے بعد رامش سے نہیں ملو گی۔"

سخت لہجے میں گویا تھا۔ ان سنی کیے وہ اپنے کام میں مشغول رہی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ کاٹن کے گرین سوٹ میں رشتین سلاد بنا رہی تھی۔

"تم نے سنا میں نے کیا کہا ہے۔" اس کے گونگے انداز پہ توے پہ جا بیٹھا۔

"سن لیا ہے۔ اللہ نے دو کان اسی لیے دیے ہیں کہ ایک سے سن کر دوسرے سے نکال دوں۔"

"میری تنبیہہ آنچل سے باندھ لو، آج کے بعد تمہیں رامش کے ساتھ نہ دیکھوں۔"

"ورنہ آنکھیں بند کر لیجیے گا۔"

"تمہارا دماغ ٹھکانے پہ ہے؟"

اس کا انداز کسی طور ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ یہ شیلف پہ رکھ کر استہزائیہ مسکراہٹ سجا کر اس کی طرف مڑی۔

"مجھے تو آپ کی دماغی حالت پہ شبہ ہے۔ ذرا ذہن پہ زور ڈالیں تو شاید آپ کو یاد آجائے کہ میری زندگی میں رامش کو داخل آپ نے خود کیا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی راضی نہیں تھا۔ علاوہ آپ کے۔ اب جبکہ وہ میرا منگیتر ہے تو میں اس سے فون پہ بھی باتیں کروں، ڈیٹ ماروں تو اس میں آپ کا کیا جا رہا ہے؟ آپ کو کیا پرابلم ہے؟" بے حد سرد لہجہ تھا۔

"یہ میری زندگی ہے مسٹر اطمعاش زئی! میں اسے جیسے چاہوں گزاروں۔ آپ کو ایسا کوئی استحقاق حاصل نہیں کہ آپ مجھ پہ اپنے احکامات صادر کریں اور مجھ سے امید رکھیں کہ میں ان احکامات کی پیروی کروں گی۔ جب دل چاہا میری زندگی میں کسی انجان بندے کو داخل کر دیا اور جب جی چاہا مجھے اس سے الگ ہونے کا حکم دے دیا۔ آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔"

وہ بے حد مشتعل ہو گئی تھی۔ اس کا خون کھول اٹھتا تھا جب بھی وہ اسے نظر آتا تھا۔ اب بھی اس نے خود بات شروع کی تو وہ خود کو روک نہ پائی۔ شاید یہ بحث طول پکڑ جاتی مگر خالہ کی بروقت آمد نے دونوں کو مورچہ چھوڑنے پہ مجبور کر دیا۔ اطمعاش زئی بالوں میں انگلیاں پھنسائے سوچ رہا تھا کہ اس نے کہاں غلطی کی ہے۔

☆ ☆ ☆

عشق کرتا ہے تو دن رات اسے سوچتا ہے
اور پھر ذہن میں آیا تو خسارہ ہوگا

نوشیرواں غزنوی کی آمد کی خوشی میں تائی نے گھر کے لان میں پارٹی رکھی تھی۔ خاندان، دوست احباب تقریباً سب ہی جمع تھے۔ نوشیرواں غزنوی کزنز کے درمیان گھرا تھا مگر دھیان اسی ستم گر کے گرد گھوم رہا تھا۔ [illegible] نے اس کی خوب کلاس لی تھی، تب ہی اسے تیار ہونا پڑا مگر باہر جانے کی بجائے پیر لٹکائے وہ بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ دروازے پہ دستک ہوئی۔ وہ بے دلی سے دیکھنے لگی۔ پٹ دھکیل کر کوئی اندر آیا تھا۔ "روڈمینس" کی خوشبو نے پل بھر میں کمرے کا احاطہ کر لیا۔ سوٹڈ بوٹڈ نوشیرواں غزنوی بلا کا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں دیوار پہ آویزاں اپنی پینٹنگ پہ تھیں۔ لاکھ کوشش کی تھی اس نے مگر جانے کیوں ساری تصویریں چاہنے کے باوجود نکال کر پھینک نہ سکی۔ اب نوشیرواں غزنوی کی نظریں تصویروں پہ دیکھ کر وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

"آثار تو یہی بتا رہے ہیں مستقبل قریب میں کہ تم نامور آرٹسٹ بن جاؤ گی۔ میری مانو ایک زبردست سی ایگزیبیشن کروا لو۔"

وہ یوں گویا تھا جیسے ان کے مابین کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ چپ رہی تو وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"تم باہر کیوں نہیں آئیں، حالانکہ تیار بھی ہو۔" اس کے انداز سے بالکل ظاہر نہیں تھا کہ وہ اس سے خفا ہے۔

"مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟" دوستانہ انداز اختیار کیا۔

"غلطی تو دو سال پہلے مجھ سے ہوئی تھی، اسی کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔"

"لگتا ہے تمہاری عقل ٹھکانے لگانے کو رخصتی جلد سے جلد کروانا پڑے گی۔"

اس کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ درگزر سے کام لے رہا تھا اور اس کے مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔ کوئی پرابلم تھی تو ڈسکس کرتی مگر وہ تو نفرت کا برملا اظہار کر رہی تھی۔

"رخصتی کا خواب بھی دل سے نکال دو نوشیرواں غزنوی!" وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس جا کھڑی ہوئی اور بالوں میں برش کرنے لگی۔

"میں کسی کی اترن نہیں پہنتی، تم تو پھر انسان ہو۔"

وہ پھر اس تک آیا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ بولو، جواب دو۔" اس نے اسے بری طرح جھنجھوڑا۔

"جب تم مجھے چھوتے ہو نا تب مجھے لگتا ہے مجھ پہ چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔" اہانت کے احساس سے اس کا رواں رواں سلگ اٹھا۔ اس نے دھکا دے کر اسے بیڈ پہ گرا دیا۔

"میں بھی اپنی ذات سے متعلق تمہیں صفائی نہیں دوں گا۔ تمہیں اعتبار کرنا ہے تو کرو ورنہ یوں بھی گزر ہی جائے گی۔ تم میری زندگی کا ایک پل نہیں

حاصل ہو جسے میں کسی صورت حاصل نہیں ہونے دوں گا۔ ہمارے درمیان موجود رشتہ تمہارے لیے مذاق ہوگا مگر میری زیست کا عنوان ہے۔ میں تم سے دستبردار کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ تم مجھ سے علیحدہ ہونے کا خیال بھی دل سے نکال دو تو اچھا ہے۔"

دروازہ دھماکے سے بند کر کے وہ جا چکا تھا۔ یہ محبت تھی، استحقاق تھا یا حکم۔ وہ الجھ گئی پھر سر جھٹک کر ماما کی طرف متوجہ ہوئی جو اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ ان کی ناراضگی سے بچنے کے لیے وہ ان کے پیچھے چلی آئی۔ ان کی چکاچوند نے آنکھیں چندھیا دی تھیں۔ ذرا آگے جا کر اس کی نظریں اسی پہ ٹک گئیں۔ وہ کسی لڑکی کے ساتھ کھڑا باتیں بگھار رہا تھا۔ دفعتاً اس کا وجود شعلوں میں گھر گیا۔ وہ تصویر والی لڑکی تھی۔

"نوشیرواں غزنوی کتنے دوغلے ہو تم۔" وہ لب کاٹ کے رہ گئی۔ بظاہر کچھ نہیں ہوا تھا مگر اس کے اندر بہت ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی۔ اسے اس ماحول سے وحشت ہونے لگی۔

"نوشیرواں غزنوی! پورے خلوص سے چاہا تھا تمہیں مگر افسوس تم بھی انہیں میں سے نکلے جو محبت کی لاج نہیں رکھ پاتے۔" سلگتے ذہن سے اس نے سوچا تھا۔ اس نے بلال کو نوشیرواں کی طرف آتے دیکھا تھا پھر وہ اسے اپنے ساتھ کھینچتا لے گیا۔ وہ بھی جویریہ کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"پلیز نوشیرواں کچھ بھی۔" سب اسے گانے کو فورس کر رہے تھے اور وہ انکار کر رہا تھا۔

"شام تو بہت حسین ہے پھر موڈ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟" اس کے مسلسل انکار پہ دیا جھنجھلاتے لہجے میں بولی۔ نوشیرواں غزنوی آنکھوں میں الجھن لیے عجیب انداز میں بالوں میں انگلیاں چلا کے رہ گیا۔ اس تم کر کا اصرار وہ کیوں کر نظر انداز کر جاتا۔ گٹار کے تار چھیڑتے، نظریں دیا پہ جمائے دل کی بات کولبوں سے ادا کرنے لگا۔

قریب تو کہ دوری سی جائے نہیں اب اور

پیاس یوں دل میں جگا کر دور جاؤ نہیں اب

ماحول سحر زدہ ہو گیا تھا۔ سب ہی محویت سے سن رہے تھے۔ دیا کے اندر دھڑا دھڑ کچھ جل رہا تھا جبکہ نوشیرواں غزنوی حسب حال گویا تھا۔

یہ جانتے ہی نہیں ہم کہ ہم تھے روٹھے وہ
بدل نہ جائے کہیں موسم راہیں پلو تو بھی
یوں ہی چاہوں گا ہمیشہ تمہیں تمہارا ہے
قریب تو کہ دوری سی جائے نہیں اب

اس گھڑی اس لمحے اس ساعت سے دامن چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ دیا کا دل کرانے لگا اپنے نقصان پہ زور زور سے رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

اس کے لہجے میں چھپی آرزوؤں کی کھنک بہت واضح تھی۔ اجنبی لڑکی محبت بھری نگاہیں نوشیرواں پہ جمائے جیسے قربان ہوئی جا رہی تھی۔ ضبط محال ہو رہا تھا۔ آنسوؤں کے یورش کو روکتی وہ اندر کی طرف بھاگی۔ وہ راہ میں آ گیا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" حقیقتاً اس کی دگرگوں حالت اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ کچھ بتاتی بھی تو نہیں تھی۔

"ہٹو سامنے سے۔" وہ غرائی۔

"کیوں رو رہی ہو؟" وہ کوئی سخت جواب دینے ہی لگی تھی، جب وہ لڑکی ان تک آ گئی۔

"میں چلتی ہوں نوشیرواں!" دونوں کو سخت چونکا۔ سے گھورتی دیا تیزی سے نکل گئی تھی۔ سر کے پیچھے کے بال انگلیوں میں جکڑے وہ خود کو سخت بے بس محسوس کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بھی سچ ہے کہ نہیں ہے کوئی رشتہ تجھ سے
جتنی امیدیں ہیں وابستہ ہیں تمنا تجھ سے
یہ الگ بات تجھے ٹوٹ کے چاہا
دل بے مایہ نے کچھ بھی نہیں چاہا تجھ سے

اس کے سجدے طویل ہو گئے تھے۔ وہ دل کی تنگی سے بے سکونی کا خاتمہ چاہتی تھی۔ اطمعاش زئی کو ستانے کے لیے خود پہ جبر کر رہی تھی۔ خودترسی نے اسے خود سے انتقام لینے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس نے اطمعاش زئی کو چاہا تھا، کوئی گناہ نہیں کیا تھا، جس کی پاداش میں اطمعاش زئی نے اس کے سر پہ رامش کو مسلط کر دیا تھا۔ وہ اپنے وجود کی چھاؤں اس کے نام نہیں کر سکتا تھا تو اس نے "نواب" بنور نے کو رامش کو آگے کیوں کر دیا؟ اس کی دلی حالت سے آگاہ ہونے کے باوجود اس نے کانٹوں بھری راہ گزر اس کے نام کیوں کر دی؟ اسے بے حد نفرت محسوس ہوتی تھی اطمعاش زئی سے، تب ہی وہ ہر وہ کام کرتی تھی جس سے وہ چڑتا تھا۔ ان دنوں اس نے اپنے نفع نقصان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اسے اطمعاش کو تنگ کر کے سکون ملتا تھا کہ جس طرح وہ دن رات سلگتی تھی، چاہتی تھی کہ وہ بھی اسی آگ میں جلے۔

"مما! سحرینہ کہاں ہے؟" آفس سے آیا تو استفسار کیا۔ ان دنوں وہ اس کے معاملے میں بے حد چوکنا ہو گیا تھا۔ اس کی ہر دم اس پہ نظر تھی۔ جلد ہی وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

"رامش آیا تھا، اصرار کر کے اپنے گھر لے گیا کہ شادی سے پہلے گھر کی سیٹنگ اور کلر وغیرہ ڈسکس کرنا ہے۔"

"آپ نے جانے کیوں دیا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پل بھر میں اعصاب کھنچ گئے۔ اسے سحرینہ پہ بے تحاشا غصہ آیا۔ کتنی بار اس نے رامش سے دور رہنے کی تلقین کی تھی مگر وہ ٹھیک ٹھاک بدلحاظ ہو گئی تھی۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، یہ ہو کیا رہا ہے۔ تم نے ہی رامش کا بکھیڑا پھیلایا اور اب تم ہی اس سے کھنچے کھنچے نظر آتے ہو۔ سحرینہ الگ ہی ہم سے دور ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا میں کسے کیا کہوں۔" خالہ بے چارگی سے گویا تھیں۔ ان کی شاکی نظروں سے نگاہیں چرا کر وہ گاڑی نکالنے لگا۔

رامش اسے گھر لایا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلی آئی کہ آج کل وہ ہر سود و زیاں سے ماورا سوچتی تھی۔ یہاں آتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اس کی غیر موجودگی پہ وہ چراغ پا ہو جائے گا مگر اب رامش کے ساتھ آ کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ کہیں کچھ غلط ہوا ہے۔

رامش کیسا ہے؟ اسے خبر نہیں تھی۔ خبر اس وقت ہوتی جب وہ اسے اہمیت دیتی یا اس کے بارے میں سوچتی۔ اس کے ذہن و دل سے تو ہمہ وقت ایک ہی شخص آکٹوپس کی طرح چمٹا رہتا تھا جو نہ اسے اپنا رکھتا تھا، نہ کسی اور کا ہونے دیتا تھا۔

جنوں کی رو میں شامل ہو کر اس لمحے اسے لگ رہا تھا کہ اسے رامش کے ساتھ گھر نہیں آنا چاہیے تھا۔ گھر پہ ملازم کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ تنہائی سے گھبرا کر اس نے رامش کو واپس چلنے کو کہا۔

"چلیں گے، اتنی جلدی کیا ہے۔" رامش کا انداز اور نگاہیں اسے خطرے کا سگنل دے رہی تھیں۔ اسے احساس ہونے لگا کہ وہ بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہے اور جب بدترین خدشات کی نشاندہی ہوئی تو وہ چیخ پڑی۔

"کیا حرکت ہے؟"

"ڈونٹ وری، شادی سے پہلے ہو یا بعد میں، ہماری کلاس میں اسے برا نہیں سمجھا جاتا۔" رامش کا ہاتھ اس کے دوپٹے کی طرف بڑھا۔ وہ سرعت سے دروازے کی طرف بڑھی مگر رامش اس سے پہلے دروازے تک پہنچ گیا۔

"ڈونٹ بی سلی سویٹی!" وہ اس وقت ایک بھیڑیا لگ رہا تھا جو اسے چیر پھاڑنے کو بے تاب نظر آ رہا تھا۔ دروازہ لاک نہیں تھا، دروازہ کسی نے پوری قوت سے دھکیلا تھا۔ رامش کی پشت دروازے کی طرف تھی، اسے زور کا دھکا لگا۔ بری طرح روتی سحرینہ قالین پہ گرا دوپٹا اطمعاش زئی کو تھمانے والے وکالی تھا۔ رامش سچویشن سے گھبرا گیا۔ اپنی بدقسمتی پہ وہ بھی نہ ڈال سکا تھا کہ اس نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ اطمعاش زئی نے اس کی جی بھر کے پٹائی کی۔ عیش و عشرت میں پلا رامش بے ہوش ہو کر پڑا رہ گیا۔ وہ خود دیوار سے چپکی

ٹھری تھی۔ کچھ دیر پہلے جو ہوا وہ حواس سلب کرنے کو کافی تھا۔ اطمعاش زئی نے دوپٹا اٹھایا اور اس تک آیا۔ وہ دکھ کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ نظریں چرا کر اس نے دوپٹا اس کے سر پہ ڈال دیا۔ بنا کچھ کہے اس کی ہتھیلی اپنے مضبوط ہاتھ میں تھامے وہ آگے چل رہا تھا اور وہ غائب دماغی سے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ اگر وہ بروقت نہ آتا تو آج وہ ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہو جاتی۔ ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ کار میں اس کی سسکیاں گونجنے لگیں۔ وہ شرمندہ تھا۔ اسے ڈرائیو کرنا مشکل ترین فعل لگ رہا تھا۔

"سحرینہ!" اس نے گود میں دھرے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ اس نے ہاتھ بری طرح جھٹک دیا۔

"اگر آپ نے کچھ کہا تو میں کار سے چھلانگ لگا دوں گی۔" اس کی دھمکی اسے چپ کرا گئی۔ راستہ بھر خاموشی رہی۔ گاڑی رکتے ہی وہ اندر کی طرف چل دی۔

"سحرینہ!" اسے تیزی سے گزرتے دیکھ کر خالہ نے آواز دی۔ وہ ابھی تک جائے نماز پہ بیٹھی تھیں۔ وہ ان کی طرف دیکھے بغیر رخسار رگڑتے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر چکی تھی۔

"کیا ہوا سحرینہ کو؟" اندر آتے اطمعاش زئی سے انہوں نے فکرمندی سے دریافت کیا۔ مضمحل اعصاب کے ساتھ وہ صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"اطمعاش! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" خالہ کو انجانا خوف بے زار کر رہا تھا۔ اس کی اڑی ہوئی رنگت، اطمعاش کی خاموشی انہیں ڈرا رہی تھی۔ ان سے کچھ چھپانا فضول تھا۔ وہ دھیرے دھیرے اپنے غلط انتخاب کا پردہ چاک کرتا گیا۔

خالہ کا ہاتھ اٹھا تھا۔ اطمعاش زئی ساکت رہ گیا۔ خالہ تو دوسرا تھپڑ بھی دے مارتیں، مگر خود نے آ کر انہیں تھام لیا۔

"ہوش میں تو ہو کیا کر رہی ہو۔"

"سب اسی کے باعث ہوا ہے۔ میں نے کتنا کہا راشق سحرینہ کے لائق نہیں ہے۔ میں اسے تمہاری دلہن بنانے کے خواب دیکھتی آئی ہوں۔ مگر اس … میری ایک نہ سنی اور آج۔ اگر اسے … میں مرحومہ بہن کو کیا جواب دیتی۔ میں … نہیں کروں گی اطمعاش۔" خالہ بے قرار … رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے جوتے کی نوک سے زمین پہ لکیریں بنا رہا تھا۔ اپنے فیصلے کی بدصورتی کا اسے احساس اچھی طرح ہو گیا تھا۔

☆ ☆

سب مرحلے وفا کے جفا کے …
وہ دیپ کیا جلیں جو ہوا کے …
اس نے بھی اپنی ضد نہ چھوڑی …
ہم کیا کریں کہ ہم بھی انا کے …

اس وقت سب لاؤنج میں براجمان تھے۔ تب … جی نے اسے بلا کر رخصتی کی بات کی تھی … بڑے آرام سے انکار کر دیا۔ تمام بڑے ششدر رہ گئے۔ وہ سب کو متحیر چھوڑ کر اپنے کمرے میں … گئی۔ وہ سخت غصے میں اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں، ایسی باتیں کرتے ہوئے؟"

"اور تمہیں شرم نہیں آتی عیاشی کرتے ہوئے۔" جواباً کڑے لہجے میں سوال کیا۔ اس کا سوال سن کر وہ بھڑک کر اس نے اس کے شانے جھنجھوڑ دیے۔

"کہاں، کیا تم نے مجھے عیاشی کرتے … شرم آنی چاہیے تمہیں اپنے شوہر پہ ایسا بہتان لگاتے۔"

"شرم مجھے نہیں، تمہیں آنی چاہیے۔" اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔ دراز کھول کر تمام تصویریں نکال لائی۔

"اپنی منکوحہ کو ایسی شرمناک تصویریں ارسال کرتے تمہاری شرم کہاں جا سوئی تھی۔" وہ تصویریں بیڈ پر پھینک کر چیخ رہی تھی۔ تصویریں … نوشیرواں غزنوی کا چہرہ لمحوں میں رنگ ہو گیا۔ وہ اس کی … [illegible]

فقط وقت گزاری کا سامان سمجھتا رہا تھا۔ وہ تو یہی سمجھے بیٹھا تھا کہ وہ دوری سے بدگمان ہے مگر یہ تصویریں تو ایک الگ کہانی سنا رہی تھیں۔ وہ اسے برابر برا بھلا بول رہی تھی۔

"میرے ساتھ چلو۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ۔" وہ تڑخ کر بولی مگر اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور زبردستی باہر لایا۔ اندر ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے اسے گاڑی کے اندر دھکیل دیا۔

"تم جیسا گھٹیا انسان اس روئے زمین پہ دوسرا نہیں ہو گا۔" وہ مسلسل بول رہی تھی۔ وہ خاموشی سے رش ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی ایک سفید بنگلے کے دروازے پہ رک گئی۔

"میم ہیں؟" چوکیدار کے ہاں کہنے پر اس نے اپنا تعارف کرایا۔ چوکیدار نے چند ثانیے بعد دروازہ کھول دیا۔ لڑکی لان میں ہی مل گئی۔ "غالب" وہ خود نوشیرواں کو نوشی! امید سے کہتے آ رہی تھی۔

"نوشی! میں کچھ اور بھی مانگتی تو مجھے وہ بھی مل جاتا۔" اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"برکھا! یہ گھٹیا حرکت تم نے کی ہے؟" نوشیرواں نے تصویریں اسے تھمائیں۔ برکھا کا رنگ زرد ہو گیا۔

"ہاں یا ناں۔۔؟" سرد لہجے میں نوشیرواں کا ایک الگ ہی روپ اس کے سامنے تھا۔

"میں ایکچولی۔" بات مکمل ہونے سے پہلے نوشیرواں غزنوی نے اسے ایک عدد تھپڑ دے مارا تھا۔

"کاش کہ میں تمہیں سنگسار کر سکتا۔" اس کے لفظوں کی کاٹ سے برکھا کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ وہ گال پہ ہاتھ رکھے شاکڈ سی رہ گئی۔ نفرت بھری نظروں سے اسے بھسم کرتا وہ واپس پلٹ گیا۔ دیا خاموش تماشائی کی طرح دیکھتی رہی۔ چند لمحے پہلے جو ہوا وہ بے حد حیران کن تھا۔ اس کا ذہن ساکت رہ گیا تھا۔ نوشیرواں کو اتنا غصہ کرتے اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے یہاں لا کر نجانے خود کہاں چلا گیا تھا۔ اجنبی لڑکی اور اجنبی گھر وہ پریشان ہو کے پلٹ گئی۔

"دیا پلیز رک جاؤ۔" اجنبی لڑکی کی پکار پہ وہ ٹھٹک گئی۔

"تم مجھے نہیں جانتیں مگر میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔" تحیر بھانپ کر وہ گویا ہوئی۔

"پلیز کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سن لو۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ لان چیئر پہ بیٹھ گئی۔ چند ثانیے خاموشی طاری رہی پھر وہ اجنبی لڑکی گویا ہوئی۔

"میرا نام برکھا ہے۔ میں نوشیرواں کی کلاس فیلو تھی۔ ایک ایسا ملک جہاں جا بجا حسین نظارے، حسن کے جلوے بکھرے ہوں، وہاں دامن بچا کر رہنا بہت مشکل ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں نوشیرواں کا کھنچا کھنچا انداز، اس کی پارسائی اور شرافت نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں خوش تھی کہ نوشیرواں سے دوستی کر لوں اور وہ … متاثر کر … بال کیا۔ اس کا گریز مجھے دن بدن اس کے نزدیک کر رہا تھا۔ ایک روز میں نے اس سے اظہار کر دیا۔ بجائے مجھے لعن طعن کرنے کے اس نے مجھے سہولت سے سمجھایا کہ وہ اپنی محبت سے نکاح کر چکا ہے۔ اس کے دل میں دوسری محبت کی گنجائش نہیں ہے۔ میں کوئی اور در کھٹکھٹاؤں۔ سچ بتاؤں دیا! جس لمحے نوشیرواں مجھ سے یہ سب کہہ رہا تھا میں تم سے جیلس ہو رہی تھی۔ میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا، ہمارے بیچ نہیں تھیں مگر دور رہ کر بھی تم نوشیرواں کے بہت قریب تھیں پھر وہ مجھ سے کترانے لگا مگر مجھے جنون ہو گیا تھا۔ بس میرا ایک ہی مقصد تھا اس کی پارسائی کو داغ دار کرنے کا۔ میں نے کہا تھا تمہیں کیا فرق پڑے گا دیا کو بھی خبر نہ ہو گی۔ اور اس کا جواب آج بھی میرے حافظے میں ہے۔" نوشیرواں کے خوبصورت تصور نے برکھا کا چہرہ روشن کر دیا۔ دیا دم سادھے بیٹھی تھی۔ "اس نے کہا تھا۔

"جب میری آرزو ہے کہ دیا کی خالص محبت اور پاکیزہ سراپا صرف میرے لیے ہو تو دیا کی بھی تو یہی آرزو ہو گی۔ مجھ پہ صرف دیا کے حقوق واجب ہیں، میں اس کے حقوق ہر کسی میں بانٹتا نہیں پھرتا۔"

پھر اس نے مجھے سختی سے کہا کہ میں آئندہ اس سے

برباد ہوں۔ اس کی باتوں نے میرے اندر آگ لگا دی تھی۔ مجھ جیسی حسین لڑکی اس طرح رد کیے جانے پہ انتقام کے متعلق سوچ رہی تھی۔ میں اس سے معافی مانگنے گئی تھی اور اس نرم دل بندے نے مجھے معاف کر دیا۔ اب نوشیرواں مجھ سے بحیثیت کلاس فیلو بات کر لیتا تھا' ان ہی دنوں اسے پاکستان تحفے بھجوانے تھے۔ میری کزن پاکستان جا رہی تھی' میں نے نوشیرواں سے کہا کہ وہ میری کزن کے ہاتھوں گفٹ بھجوا دے۔ وہ راضی ہو گیا اور مجھے انتقام لینے کا موقع مل گیا۔ فی زمانہ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اصل اور نقل کا گمان تک نہیں ہوتا۔" دیا ساکت اس کے انکشافات سن رہی تھی۔ کیسے سارے پردے سمٹتے چلے گئے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیا! نوشیرواں جیسا پارسا ہر لڑکی کا آئیڈیل ہوتا ہے۔ ہزار خواہش کے باوجود میں اس کی پارسائی میں دراڑ نہ ڈال سکی۔ وہ واقعی تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس کی قدر کرنا۔ میں ہمیشہ کے لیے امریکہ جا رہی ہوں۔ اس دن میں' یہ ہی بتانے تمہارے گھر آئی تھی اور تم نے سمجھا کہ اس نے مجھے انوائٹ کیا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا' اس پہ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ نوشیرواں سے کہنا' مجھے معاف کر دے۔ ہو سکے تو تم بھی معاف کر دینا۔ مجھے بددعا مت دینا' مجھے بددعاؤں سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

بریحا میز پہ سر رکھے رو رہی تھی۔ وہ ملامت سے پر نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ ایک شرمندہ کو وہ اور شرمندہ کیا کرتی۔ وہ باہر گاڑی میں بیٹھا تھا۔

اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس شخص کا سامنا دنیا کا مشکل ترین فعل لگ رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر اس نے دروازہ بھی بند نہیں کیا کہ وہ گاڑی اڑانے لگا۔ سپاٹ انداز' بھنچے لب' سرد نظروں نے اس کا سارا حوصلہ متزلزل کر دیا۔ وہ چپ رہی۔

☼ ☼ ☼

یہ واجبات عشق کیا ہم ہی پہ قرض تھے
وہ بھی اتارتا یہ مصیبت اسے بھی تھی

گھر میں مکمل سکوت طاری تھا۔ ہر کوئی اپنی جگہ خاموش تھا۔

خالہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اطمعاش دوزانو بیٹھے ان کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑے۔

"مجھے معاف کر دیجیے مما! آئندہ میں اب کبھی وہ کام نہیں کروں گا جس سے آپ منع کریں گی۔ میں نے سحرینہ کی خوشی چاہی تھی ممی۔ میں خود کو آپ کا مجرم سمجھ رہا ہوں۔ حالانکہ اس سارے کھیل میں تو سب سے زیادہ مجھے ہوا ہے۔ اپنی عزیز چیز کسی اور کے نام منسوب کر دینا آسان تو نہیں ہوتا۔ اطمعاش کے کردار کا یہ پہلو میری نگاہ میں نہیں تھا۔ مجھے تو اس کے اسٹیٹس' رکھ رکھاؤ نے اپیل کیا کہ وہ ہماری سحرینہ کو خوش رکھے گا مگر مجھے خبر نہیں تھی کہ وہ دوہری شخصیت کا مالک ہے۔ اس کے کردار کا یہ رخ میری نظر میں آیا تو میں نے سحرینہ کو اس سے ملنے سے منع کیا۔ اس نے نہیں سنا' میں آپ سب کے نوٹس میں لا کر منگنی توڑنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے ہی۔ مما میں نے جان بوجھ کر سحرینہ کا برا نہیں چاہا تھا۔ میں تو اسے خوشیاں دینے چلا تھا کہ وہ جو ہماری محبت کو احسان سمجھ کر گردن جھکا کر بات کرتی ہے' کسی اونچے گھر میں بیاہ کر جائے گی تو سر اٹھا کر بات کرے گی۔ آپ تو جانتی ہیں نا مجھے۔" وہ دلگرفتہ تھا۔ خالہ کا دل پسیج گیا۔ وہ اپنے بیٹے کی ہر ادا پہچانتی تھیں۔ اس نے خلوص نیت سے سحرینہ کا بھلا چاہا تھا۔

"میں تمہیں جانتی ہوں میرے بچے! لیکن اس کی خوشی کا ساماں کرنے سے پہلے تمہیں جان لینا چاہیے تھا کہ اس کی خوشی صرف تمہارے ساتھ میں پنہاں ہے۔" خالہ نے پیار سے بیٹے کو قریب کر لیا۔

"بن ماں باپ کی بچی ہے اطمعاش! اسے خوش رکھنا۔" خالہ گویا تھیں اور اس کی نگاہوں میں سحرینہ کا ملول چہرہ گھوم گیا۔

☼ ☼ ☼

دادا جی نے نوشیرواں غزنوی کو اپنے کمرے میں بلایا

تھا۔ وہ پہنچا تو اس سے پہلے دیا وہاں براجمان تھی۔ وہ بلاوے کا مفہوم سمجھ گیا تاہم دادا جی کے اشارے پہ بیٹھ گیا۔ دادا جی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"نکاح تم دونوں کی دلی خواہش پہ ـــــ ہوا تھا مگر اب تم لوگوں کے رویے ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ تم دونوں کو ایک دوسرے سے جو گلے ہیں وہ جلد ہی دور کر لو تو اچھا ہے۔ مناسب سمجھو تو ہمیں شریک کر لو۔ تم دونوں کے انداز دیکھ کر ہمیں سوائے افسوس کے کچھ نہیں ہو رہا۔ ایک معتبر رشتہ ہونے کے باوجود تم لوگوں نے گھر میں تماشا لگا رکھا ہے۔ ہم سب نے طے کیا ہے کہ جلد ہی رخصتی کر دی جائے۔"

"کسی کو مجھ سے بہت نفرت ہے دادا جی۔ بدکردار' عیاش' گھٹیا انسان ہوں میں۔ "کسی" کو مجھ سے گھن آتی ہے۔ مجھ جیسا کریکٹرلیس انسان اس لائق نہیں کہ کوئی شریف زادی میری شریک سفر بنے۔ آپ کوئی شریف زادہ ڈھونڈ کر مجھے بتا دیجیے گا "فارمیلٹی" نبھاؤں گا۔"

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں۔ دادا جی حیران رہ گئے۔ وہ خاموش بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔

"یہ نوشیرواں کیا کہہ گیا ہے؟" اب ان سے کچھ چھپانا فضول تھا۔ اس نے انہیں سچائی سے آگاہ کر دیا۔

"مجھے تم سے ایسی بے وقوفی کی توقع نہیں تھی دیا!" سب سننے کے بعد دادا جی نے اتنا ہی کہا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ اس نے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی مگر اس کے بے گانے انداز پہ اس کی ہمت ٹوٹ جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس دن کے بعد سے وہ اطمعاش زئی سے بہت کم گفتگو کرتی تھی۔ ایک دن اطمعاش کو موقع مل گیا اس سے بات کرنے کا۔

"کیوں دشمنوں کا سا انداز اپنا رکھا ہے مجھ سے؟" اس نے کلائی پہ گرفت رکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"تم مت بولو' صرف مجھے سنو۔"

"کیا سنوں؟ یہی کہ میرا وجود آپ کو شروع سے بوجھ محسوس ہو رہا ہے اور اس بوجھ کو اتارنے کے لیے آپ نے ایک عیاش شخص کو میری زندگی میں داخل کر دیا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

"تم ہمیشہ کمپلیکس کا شکار رہیں۔ تم نے وہی سمجھا جو تمہارے چھوٹے سے دماغ نے سمجھایا۔" وہ تلملا کر اسے دیکھنے لگی۔ اور وہ اسے بے وقوف کہا جا رہا تھا۔ وہ اس کی نظروں کا احوال جان کر گویا تھا۔

"تم اول درجے کی بے وقوف اور کم فہم لڑکی ہو۔ ہم نے تمہیں گھر کا فرد سمجھا مگر تم سدا خود کو مہمان کرواتی رہیں۔ تم احسان' ہمدردی جیسے الفاظ کو اوڑھے بیٹھی تھیں۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو ترسی کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ میں تم سے کسی چیز کی فرمائش کرتا اور تم الہ دین کے جن کی طرح فوراً حکم کی تعمیل کو چل دیتیں' کبھی اپنی مرضی' موڈ کا دھیان نہ کیا۔ ہماری خدمت کر کے تم احسان چکانے کے موڈ میں تھیں۔ مجھے تم جیسے لوگ کبھی اچھے نہیں لگے۔ انسان کو سر صرف رب کے آگے جھکانا چاہیے۔ تمہارا رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے ـــــ تمہارا خادمانہ انداز مجھے آگ لگا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی جو میں تم سے سدا دور رہا۔ مگر جب میں نے محسوس کیا کہ تم مجھ میں دلچسپی لے رہی ہو تو مجھے سوچنا پڑا۔ جھنجھلاہٹ اپنی جگہ مگر میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا تھا۔ لیکن اہم بات یہ تھی' مجھے تمہارا جھکا سر بھی نہیں اچھا لگا۔ میں کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا جس کے پاس پیسہ' پرسنالٹی سب ہو تاکہ تم مجھے کھونے کا غم فراموش کر سکو اور دولت مند شخص کی بیوی بن کر مجھ سے سر اٹھا کر بات کر سکو۔ اطمعاش نے تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو مجھے خوشی ہوئی۔ وہ میری سوچ کے مطابق تھا تو میں نے اسے تمہارے لیے منتخب کر لیا۔ مجھے کئی محاذوں پر لڑنا پڑا' مما' بابا کے ساتھ کئی نشست کی۔ بڑی مشکلوں سے انہیں قائل کیا کیونکہ وہ لوگ تمہیں میرے

چاہتے تھے' جب کہ مجھے صرف تمہاری خوشی مقصود تھی۔ تمہیں کیا کہ میں بھی اسیرِ محبت تھا۔" سحرینہ نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اس کا عکس تھا۔

"لیکن جو ہوا وہ میری سوچ کے برعکس ہوا۔ تمہاری سربلندی کے لیے میں نے جو قدم اٹھایا تھا اس کی سب سے بڑی مخالف تم خود بن گئیں میری نظر میں تم اسجبور' جذباتی لڑکی تھیں تمہاری انا پہ چوٹ کرنے کے لیے میں نے تمہیں رامش سے منگنی پہ راضی کر لیا۔ سفر کرتے وقت مجھے احساس دلایا گیا کہ جسے بظاہر میں جذباتی سمجھ رہا تھا وہ کس قدر ضدی ہے۔ تم نے بساط مجھ پہ الٹ دی۔ مجھے زچ کرنے کو تم ہر وہ کام کرنے لگیں جو خود تمہیں ناپسند تھا' اور یہ نقطہ تم ضد میں کر رہی تھیں۔ میری سوچ میں ڈر گیا' رفتہ رفتہ مجھے رامش کے بارے میں منفی رپورٹس ملنے لگیں تو میں نے تمہیں اس سے ملنے سے منع کر دیا۔ میں ایک بار پھر اس کے بارے میں معلومات کرنے لگا مگر تم تو ٹھیک ٹھاک بدلحاظ ہو گئی تھیں۔ ڈری سہمی احسانوں تلے دبی سحرینہ کی جگہ ہٹ دھرم' ضدی لڑکی نے لے لی تھی جو ہر نفع نقصان سے ماورا ہو گئی تھی۔ مگر مجھے وہ لڑکی بہت عزیز تھی اسی لیے میں اس پہ نظر رکھتا تھا اور آخری بار جو ہوا وہ تم سب کے لیے ہی اچھا ہوا۔ رامش کی اصلیت کھل گئی۔ اور مجھ پہ بھی کھل گیا کہ جس لڑکی کی خوشیوں کے لیے میں پہروں پریشان رہتا ہوں اس کی مسکراہٹ مجھ سے جڑی ہے۔ جس لڑکی کا جھکا سر مجھ سے برداشت نہیں ہوتا وہ میرے نام سے جڑنے کے بعد معتبر ہو جائے گی۔ خدا گواہ ہے سحرینہ میں نے صرف تمہارا بھلا چاہا تھا۔ تم نے جس کمپنی میں زندگی گزاری میں چاہتا تھا کہ خوشیوں سے تمہارا دامن بھر جائے۔ ہمارے درمیان موجود تیسرے بندے کی موجودگی سے صرف مجھے تکلیف ہوتی تو میں آج یہ سب تم سے نہ کہہ رہا ہوتا یہ بہت بعد میں مجھ پہ کھلا کہ تمہاری خوشی کا محور میری ذات ہے۔ خود کو بیچ کر تمہارے لیے ہمسفر خود چننے چلا تھا کیا خبر تھی میری ذات سے تمہاری مسکراہٹیں جڑی ہیں۔"

خاموش لوگ بلا کے خطیب ہوتے ہیں۔

لمحے اس پہ کھلا۔ وہ شخص اس کی خوشی' سربلندی کے لیے اپنے جذبوں سے نگاہیں چرائے بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ہی تانے بانے میں الجھی تھی اسے لگا اطمعاش زئی اس کے لیے کس قدر خوبصورت میں سوچتا ہے۔ دل گداز ہوا اور اس کی آنکھیں برس گئیں۔

"بہت رلایا' ستایا ہے نا میں نے تمہیں؟" اس کی بھیگی پلکوں پہ پھیرتے بحرانہ انداز میں سوال کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اب بھی نہیں ستاؤں گا' وعدہ رہا۔" اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے اعتبار دلایا گیا۔ سحرینہ کی آنکھ سے موتی ٹوٹ کے گرا جب کہ ہونٹوں پہ مسکراہٹ اطمعاش زئی کی محبت کو دل نے تسلیم کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بازار جانے کی تیاری کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس سے کچھ دیر قبل لوٹا تھا۔ واش روم میں وائٹ سوٹ دیکھ کر اس کا موڈ بے ساختہ شاور لینے کو مچل اٹھا۔ وہ واقف تھا کہ روز کی طرح یہ حرکت نوشیرواں نے کی ہے۔ اس کی ہر چیز کا "وہی" دھیان رکھتی تھی۔ تولیہ سے بال رگڑتا واپس آیا تو نظر سامنے ٹیبل پہ پڑی۔ ریڈ کلی میں کچھ ایسی کشش تھی جو وہ کھنچتا چلا گیا۔ کلی کے ساتھ "سوری" کا خوبصورت سا کارڈ تھا۔ کارڈ پہ درج نظم پڑھ کر وہ زیرلب مسکرایا۔ بدگمانی' الزام تراشی کی بڑی سزا دے چکا تھا وہ بہت ناراضی کو طول دینا اسے مناسب نہ لگا۔ اب جب پشیمان تھی تو وہ اسے مزید نہ ستا سکا۔ اس کے قدم اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے دروازہ کھلا تھا۔ دستک دے کر وہ اندر چلا آیا۔ سر گھٹنوں میں دیے وہ کمرے کے کونے میں بیٹھی تھی۔ قدموں کی آہٹ پہ اس نے جھکا سر اٹھایا۔ سرخ چہرہ' سوجی آنکھیں حقیقتاً نوشیرواں غزنوی کا دل دھڑکا گئیں۔

وہ اس کی طرف سے رخ پھیر گیا۔ درحقیقت اس کا سوگوار روپ دیکھ کر اسے خود پہ غصہ آنے لگا۔ وہ اٹھ کر اس تک آئی۔ اس کی پشت سے پیشانی ٹکاتے اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

"کیوں بے گانوں سے بدتر رویہ اپنا رکھا ہے میرے ساتھ؟ کیوں اذیت دے رہے ہو مجھے؟" وہ اس کی طرف پلٹا۔

"اذیت؟ تمہیں اذیت کے معنی پتا ہیں۔" لہجہ خود بخود تیکھا ہو گیا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

"میں نے تمہیں کہا تھا' میں اپنے کردار سے متعلق کبھی صفائی پیش نہیں کروں گا۔" اب کے لہجہ نرم تھا۔

"مجھے اب کسی صفائی کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" ترش لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اس طرح رویہ مت رکھو میرے ساتھ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"اک گھٹیا عیاش شخص تکلیف ہی دے سکتا ہے۔" وہ سر جھکائے ندامت سے اپنے الفاظ اس کے لبوں سے سن رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے' میری شکل سے نفرت ہے' تمہیں زہر سے زیادہ برا لگتا ہوں تو پھر آنسو بہانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے دادا جی کو کہہ دیا ہے ڈھونڈ لیں کوئی دوسرا مجھے آزاد کر دیں۔" وہ گویا تھا اور غصے کی شدید لہر نے پرائی دکار روپ دھار لیا۔

"تم چھوڑ دو گے مجھے؟ تم نے یہ بات سوچی بھی کیسے؟ اگر پھر کبھی تم نے ایسی بات کی تو اپنی اور تمہاری جان لے لوں گی۔" وہ آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی۔

"شرم نہیں آئی تمہیں۔ یہ بات کہتے؟" عجب دیوانگی تھی اس کے انداز میں۔

"اور تمہیں شرم نہیں آئی مجھ پہ اتنا بے ہودہ الزام لگاتے؟ اپنے لفظوں کے خنجر میرے سینے میں اتارتے تمہیں درد کیوں نہیں ہوا تھا؟" اس کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑے وہ پر درد لہجے میں گویا تھا وہ اسے دیکھتی رہی۔

"تم میرا اعتبار ہو' اور جب تم نے ہی مجھے بے اعتبار کیا تو میں اپنی نگاہوں میں چھوٹا ہو گیا۔ تمہیں تصویریں ملی تھیں تو تم کھل کر مجھ سے ڈسکس کر سکتی تھیں۔ اور دنیا کا کوئی مرد اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ وہ اپنی عیاشی کے ثبوت اپنی بیوی کو بھیجے۔ مگر تم میں عقل ہوتی تب نا۔ تم نے کیسے سوچ لیا کہ تمہارا نوشیرواں اتنی پستی میں گر سکتا ہے؟ تم نے سوچا بھی کیسے؟" اس کا لہجہ تڑپ گیا۔ اس وقت وہ رو سکتی تھی یہ آنسو ہی اس کے لفظوں کا مداوا تھے۔

"میں تمہیں بہت چاہتی ہوں نوشیرواں' محبت جہاں وسعت رکھتی ہے وہیں تنگ نظر بھی ہوتی ہے کسی دوسرے کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ پھر میرے پاس تو ثبوت تھے میں اپنی آنکھوں کو کیسے جھٹلاتی۔ غلطی یہ ہوئی کہ تم سے کلیئر نہ کر سکی۔ مجھے معاف کر دو نوشیرواں' مجھے پرسکون کر دو۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ نوشیرواں کو اسے سمیٹ لینے پہ مجبور کر دیا۔ اپنے لیے اس کی شدتیں تو اسے ہمیشہ سے پسند تھیں پھر آج کیسے بری لگتیں۔ یہ نازک سی لڑکی اسے شاید دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھی جس کا انداز ذرا مختلف تھا' اور اسے اس کا منفرد انداز ہی بھاتا تھا۔

"چوڑیاں پہنو گی؟" فوراً اس نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

"تم پہناؤ گے؟" محبت بھرا استفسار ہوا۔

"تمہیں پسند نہیں آتیں؟" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ بظاہر مسکراتے نفی میں سر ہلاتے اس کے لیے خریدی گئی چوڑیوں کو اس کی کلائی کی زینت بنا رہا تھا۔

"نوشیرواں تم ناراض تو نہیں ہو نا؟" "تم سے ناراض نہیں رہ سکتا جان نوشیرواں" کلائی میں موجود چوڑیوں کو منتشر کرتے اس نے محبت بھرے لہجے میں اقرار کیا تھا۔ اور یہ اقرار ہی اس کے لیے کافی تھا۔

☆ ☆